U0142

[illegible] حیدرآباد دکن

ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ

جلد

نمبر

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابو محمد مصلح کان اللہ لہ

دفتر

شرقی شرکت حیدرآباد دکن

چندہ

سالانہ دس روپے۔ ماہوار پرچہ کی قیمت ایک روپیہ

قرآنِ پاک

نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل مدظلہ

درد مندوں کی دوا قرآنِ پاک — گمرہوں کا رہنما قرآنِ پاک
مومنوں کی ہے حیاتِ جاوداں — قدسیوں کی ہے غذا قرآنِ پاک
قلبِ مومن کا سکونِ لازوال — چشمِ حق بیں کی ضیا قرآنِ پاک
سینہ اُس کا گنجِ حکمت بن گیا — جس نے با معنی پڑھا قرآنِ پاک
سات پشتیں اُس کی حق نے بخش دیں — حفظ جس نے کر لیا قرآنِ پاک
پوچھتی ہے جب زباں میں کیا پڑھوں — دل سے آتی ہے صدا قرآنِ پاک
چشمِ باطن اس سے کھل جاتی ہے صاف — پڑھ کے دیکھو تو ذرا قرآنِ پاک
زندگی انساں کی ہے اک آئینہ — اور اُس کی ہے جلا قرآنِ پاک

کیمیا کی تم کو ناحق ہے تلاش — مس کو کرتا ہے طلا قرآنِ پاک
آؤ لو گنجینۂ فضل و کمال — دے رہا ہے برملا قرآنِ پاک
آؤ لو دیتا ہے بے مانگے تمہیں — دولتِ صدق و صفا قرآنِ پاک
آؤ لو خلق و ثبات و عقل و ہوش — کر رہا ہے سب عطا قرآنِ پاک
آؤ لو دیتا ہے بے منت تمہیں — درسِ تسلیم و رضا قرآنِ پاک
آؤ پھر لو ساغرِ مقصد کہ ہے — چشمۂ آبِ بقا قرآنِ پاک
فتح و نصرت ہے اسی کے واسطے — پیشوا جس کا ہوا قرآنِ پاک
ہوش میں لاتا ہے ہر بے ہوش کو — دیکھے دامن کی ہوا قرآنِ پاک
کاش مضبوطی سے لے لے ہاتھ میں — امتِ خیر الوریٰ قرآنِ پاک
پھر وہی اسلام کا ہو اوج موج — پھر ہو سب کا مدعا قرآنِ پاک

رحمت اُن پر جو سمجھ کر اے جلیل
پڑھتے ہیں صبح و مسا قرآنِ پاک

مقدمہ

"سلسلۂ اشاعتِ قرآن" کی یہ پانچویں قسط بحمد اللہ دفترِ قرآنی تحریک حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع کیجا رہی ہے۔ اب تک بعض اہم مسائل پر توجہ دلانے کے علاوہ فضائلِ قرآن اور ضرورتِ قرآن کو ایک حد تک اچھی طرح پیش کر دیا گیا ہے اب اس پانچویں قسط میں یہ بتلایا جا رہا ہے۔ کہ قرآن پڑھا کیونکر جائے اس کی صحیح تلاوت کیا ہے۔ اور اس کا اصلی فائدہ کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے جس سے انسان انسان اور مسلمان مسلمان بنجائیں۔

مسلمانوں کے اسلاف نے مسلمانوں کے لئے دین و دنیا کی فلاح و بہبود کا دروازہ کھول دیا تھا۔ خزانے جمع کر دیئے تھے دینِ حق کو غالب کر دیا تھا۔ خلافت قائم کر دی تھی، سلطنت کی بنیاد استوار کر دی تھی، مدرسے جاری کر دیئے تھے، خانقاہیں اور مسجدیں بنا دی تھیں، جائدادیں وقف کر دی تھیں، خلف اگر اپنی کمائی سے مزید کچھ حاصل نہ کیے ہوتے بلکہ اگلوں کے اندوختہ کی حفاظت کا صرف اپنے کو اہل ثابت کیے ہوتے جب بھی ان کی یہ پست حالت نہ ہوتی جو آج ہے۔

اسی طرح سلف نے قرآن مجید کی جو کچھ خدمات اب تک انجام دیں وہ کم نہیں ہیں ان کی تالیف و تصنیف اور علم و عمل کا نتیجہ اتنے مواد اور اس قدر ذخیرے فراہم کر چکا ہے کہ اس کو کافی سے زاید کہنا بےجا نہ ہوگا۔ اور یقیناً یہ سب کچھ اس قدر ہے کہ اب ان کے

پڑھنے والے بھی اتنے نظر نہیں آتے۔

قرآنِ مجید کی خدمت جو کچھ ہو چکی، ہو رہی ہے یا آئندہ ہو سکیگی وہ بہت کم ہے۔ قُل لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا۔ کہدو کہ اگر دریا سیاہی بن جائیں تاکہ ہمارے رب کے کلموں کو بیان کریں تو اس سے پہلے کہ ہمارے رب کے ایک کلمہ کی تعریف ختم ہو۔ دریا بھر سیاہی ختم ہو جائیگی اور اگرچہ کہ اسی کے مانند اور بھی سیاہی لے آئیں۔ یہ سب کچھ اپنی جگہ پر درست ہے لیکن عمل کے لئے تو جو کچھ ہو چکا ہے وہ یقیناً کافی ہے۔

علمائے اسلام میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا جو رتبہ ہے اُس کے بیان کی حاجت نہیں۔ اُن کا شاہکار "احیاء العلوم" تزکیۂ نفس اور اخلاقِ فاضلہ کے حصول کے لئے ایک ضخیم کتاب ہے، عمل کی نیت سے جس کا مطالعہ قرآنِ مجید کے علم و عمل کی طرف متوجہ کردینے کے لئے کافی ہے۔ اسی کتاب کے اندر ایک باب "تلاوتِ قرآن" کا بھی ہے امام صاحب موصوف نے اپنی عادت کے مطابق اس باب کے اندر ایک سیر بحث کی ہے فضائلِ قرآن اور تلاوت کے طریقے کا اچھی طرح بیان کیا ہے۔ دفتر "قرآنی تحریک" نے جس کا منشاء قرآنی علم و عمل کا عام کرنا ہے۔ اسی سلسلے میں توفیق ایزدی کے بھروسے ہر اُس چیز کو پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے جو اپنے مقاصد کے معیار پر قرآنِ مجید سے متعلق ہو۔ اس لئے "احیاء العلوم" کے اس باب کا پورا ترجمہ کتابی صورت میں شائع کرنا مناسب سمجھا گیا۔

قرآنِ مجید دنیا کی ہر تالیف و تصنیف سے بے نیاز کردینے والی کتاب ہے اس نے اپنی تلاوت کے طریقے خود بتلائے ہیں اور اس انداز میں اس قدر بتائے ہیں کہ انسانی دسترس سے باہر ہے کہ اس کے عشر عشیر کا احاطہ اور مقابلہ بھی کر سکے۔

مگر غفلت شعار اور ضعیف فراموش انسان کو کیا کہا جائے۔ کہ محتاج ہو کر محتاج سے اپنی حاجت روائی چاہتا ہے مگر غنی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ بھوکا ہو کر ریزہ چینی اور چھوٹے ٹکڑوں کے لئے در در مارے پھرنے کو فخر سمجھتا ہے۔ لیکن آسمانی الوانِ نعمت اور خدائی دستارخوان سے شکم سیر ہونے کی پروا نہیں کرتا، پیاسہ ہے اور تشنہ لبوں سے پانی مانگ رہا ہے۔ حالانکہ قرآن کے اندر دریائے رحمت جوش زن ہے۔ ما لکم کیف تحکمون۔ فبای حدیث بعدہٗ یومنون۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی تلاوت کے طریقے آپ بتاتا ہے، اپنی ضرورت کا آپ احساس کراتا ہے اپنے علم و عمل کو آپ ضروری جتلاتا ہے، اپنے فضائل آپ بیان کرتا اور اپنے بے مثل ولاجواب اور آخری آسمانی پیغام ہونے کا آپ دعویدار ہے اور حاشا کہ اِن امور میں وہ کسی انسان کی تالیف و تصنیف کا محتاج نہیں۔ کاش مسلمان ادھر متوجہ ہوں اور کاش علمائے اسلام حقیقی معنوں میں اس کی خدمت کے لئے کمربستہ نظر آئیں اور کاش ہر گھر اور ہر انسان قرآنی علم و عمل کا مدرسہ اور مدرس بن جائے اور اے کاش ایک بار پھر وہ غرض پوری ہو جائے جس کے لئے خدائے قرآن نے قرآن کو نازل فرمایا ہے۔

قارئین کرام "سلسلۂ اشاعتِ قرآن" کی قسط کو مستقل کوئی چیز نہ سمجھیں بلکہ یہ سب کچھ صرف اس لئے ہے کہ قرآن کی طرف توجہ منعطف کرائی جائے لہٰذا "تلاوتِ قرآن" کے شایع کرنے کی بھی یہ غرض ہے کہ حقیقی معنوں میں قرآن کی تلاوت کرنیوالے پیدا ہو جائیں۔ وباللہ التوفیق۔

یکم ربیع الاول شریف ۱۳۴۶ھ

ابو محمد مصلح
دفتر قرآنی تحریک حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آدابِ تلاوتِ قرآن

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان بندوں پر یہ ہے کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک سے اِن کو شرف بخشا اور اپنی کتاب قرآنِ مقدس سے اِن کی گردنوں میں منت کا طوق ڈالا۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس پر باطل کا اثر نہیں ہو سکتا اور اہلِ فکر کے لئے اُس کے قصّے اور خبروں سے عزت حاصل کرنے کا سامان فراہم ہو گیا۔ چونکہ اس کے اندر احکام کی تفصیل، حلال و حرام کی تفریق بخوبی ہے۔ اِس سبب سے سیدھے راستے اور اچھے طریقے کا اختیار کرنا واضح ہو گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ضیاء اور نور اسی میں ہے اور اسی کی وجہ سے مغالطوں سے نجات ہوتی ہے۔ توحید و ایمان کا حصول اور دلوں کی شفا بھی اسی میں ہے۔

یہ وہ کتاب ہے کہ جس جبار نے اس کی مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی کمر توڑ دی، اور جس کسی نے اس کے سوا دوسری کتاب میں علم کو طلب کیا وہ گمراہ ہوا اس کا نام حبل متین، نور مبین اور عروۃ الوثقیٰ ہے۔ اس کتاب کا کام ہے کہ ہر قلیل و کثیر اور صغیر و کبیر پر حاوی ہو۔ اس کے عجائب و غرائب کی کوئی نہایت ہے نہ اہلِ علم کے نزدیک اس کے فوائد کی کوئی حد ہے۔ یہ عجیب کتاب ہے کہ تلاوت والوں کے نزدیک زیادہ پڑھنے سے پرانی نہیں ہوتی،

بلکہ ہر بار جدید لذت دیتی ہے اوّلین وآخرین کو ہدایت کرتی ہے۔

یہ وہ کتاب ہے کہ جب اس کو جنوں نے سُنا تو اپنی قوم کی طرف جلد رجوع کیا اور اپنے ایمان لانے کا ان لفظوں میں اظہار کیا۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا۔ جنوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو نیک راہ کو سمجھاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم آج سے اپنے رب کا کسی کو ہرگز شریک نہ بنائیں گے۔ اس کتاب پر جو ایمان لایا وہی صاحب توفیق ہے اور جو اس کا قائل ہوا وہی اہل تصدیق ہے۔ جس نے اس کے ساتھ تمسک کیا اُس کو ہدایت ملی اور جس نے اس کے بموجب عمل کیا اس نے سعادت حاصل کی اور فلاح پائی۔

یہ وہ کتاب ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم نے اس کو نازل کیا ہے اور ہمیں اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔ دلوں اور مصاحف میں اس کے محفوظ رہنے کا سبب روزمرہ کی تلاوت اور اس کے آداب و شرائط کی رعایت ہے۔ نیز جو کچھ اس میں اعمال باطنی اور آداب ظاہری ہیں اس کی حفاظت بھی اسی روزمرہ کی تلاوت سے ہے لہٰذا ان امور کو بیان کیا جاتا ہے جو اس سے متعلق ہیں۔

تلاوتِ قرآن مجید کی فضیلت

آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھے پھر یہ جانے کہ کسی کو مجھ سے زیادہ ملا ہوگا تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ خدائے تعالیٰ نے جس چیز کو بڑا کیا ہے وہ اس کو چھوٹا جانے گا۔

ارشاد ہے قیامت کے دن خدائے تعالیٰ کے نزدیک قرآن سے بڑھکر مرتبہ والا کوئی

شفیع ہے اور نہ کوئی نبی۔

اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِیْ تِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ میری امت کی ساری عبادتوں سے بڑھ کر قرآن کی تلاوت افضل ہے۔

اللہ تعالٰی نے خلقت کے پیدا کرنے سے ہزار برس پیشتر سورہ طٰہٰ اور یٰسین تلاوت فرمائی تو فرشتوں نے سن کر کہا وہ امت خوش نصیب ہے جس پر یہ اتریگا اور ان دلوں کے لئے خوشحالی ہے جو اسے یاد کریں گے اور اس زبان کو بھی جو اسے پڑھیگی

ارشاد ہے خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ اے مسلمانو تم میں سے بہترین ہے وہ شخص جو قرآن کو سیکھے اور دوسروں کو سکھلائے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن پڑھنے کی کثرت مجھ سے سوال کرنے اور دعا مانگنے سے روکے میں اس کو شکر گزاروں کے ثواب سے بہتر عنایت کروں گا تین شخص قیامت کے دن ایسے مقام پر ہوں گے جہاں ان کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ ان سے حساب لیا جائیگا ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے قرآن کو خدائے تعالٰی کی رضا جوئی کے لئے پڑھا اور لوگوں کا امام ہوا اور وہ لوگ اُس سے خوش رہے۔

اہل القرآن اہل اللہ خاصتہ۔ قرآن والے اللہ کے خاص لوگ ہیں۔ ارشاد ہے کہ یہ دل لوہے کی طرح سے زنگ آلود ہو جاتا ہے اس کے جلا کی صورت قرآن کی تلاوت اور موت کا یاد کرنا ہے۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کو پڑھو یہ پڑھنے کی چیز ہے اس بات سے مغالطہ میں نہ پڑجاؤ کہ قرآن تمھارے پاس موجود ہیں، تمھاری کھونٹیوں، تمھاری الماریوں، اور تمھارے طاقوں پر دھرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالٰی اُس دل کو

عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جو قرآن کا ظرف ہو۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جب تم علم کا ارادہ کرو تو قرآن کا علم حاصل کرو۔ کہ اس میں اگلوں کے علم بھی ہیں اور پچھلوں کے بھی۔

انہیں سے روایت ہے کہ تم قرآن کو پڑھو کہ اس کے ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملیگا اور یہ نہ سمجھنا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام دوسرا اور میم تیسرا حرف ہے۔

یہ بھی اُن ہی کا قول ہے کہ تم میں سے جب کوئی اپنے نفس سے درخواست کرے تو قرآن کی ہی کرے اس لئے کہ اگر قرآن سے محبت رکھتا ہوگا اور قرآن اس کو اچھا معلوم ہوتا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلعم سے محبت رکھتا ہوگا اور اگر قرآن سے بغض رکھتا ہوگا تو اللہ اور اُس کے رسول ؐ سے بغض رکھتا ہوگا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی ہر ایک آیت جنت کا ایک درجہ ہے۔ اور تمھارے گھروں کا چراغ ہے۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اُس کے ہر دو پہلو میں نبوت مندرج ہوجاتی ہے صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ اُس پر وحی کا نزول نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ گھر کے لوگوں پر وسیع ہو جاتا ہے اور اس میں برکت کی کثرت ہو جاتی ہے اُس میں فرشتے آتے ہیں اور وہاں سے شیاطین نکل جاتے ہیں۔ اسی طرح جس گھر میں قرآن نہیں پڑھا جاتا وہ گھر والوں پر تنگ ہو جاتا ہے اُس کی برکت کم ہو جاتی ہے اُس میں سے فرشتے چلے جاتے ہیں اور شیطان آموجود ہوتے ہیں۔

امام احمد حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ الٰہی جن چیزوں سے تقرب کے طالب تیرا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سے افضل کون سی چیز ہے فرمایا کہ اے احمد سب سے افضل میرے کلام سے تقرب چاہنا ہے۔

احمد محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب آدمی قرآنِ مجید کو اللہ تعالیٰ سے سنیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا اس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن کے حافظ کو چاہیے کہ بادشاہ سے لیکر ادنیٰ شخصوں تک کسی کی طرف احتیاج کی نظر سے نہ دیکھے۔ لازم تو یہ ہے کہ خلقت اُس کی حاجتمند ہو۔

انھیں کا قول ہے کہ جو شخص قرآن کا حافظ ہے وہ اسلام کا علمبردار ہے اس کو چاہیے کہ لہو، سہو، اور لغو والوں کے ساتھ نیچے درجوں: ایسے امور میں مشغول نہ ہو کہ قرآن کی تعظیم اسی بات کی متقاضی ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی قرآن پڑھتا ہے تو فرشتہ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا ہے۔

عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد قرآن کھول کر سو آیتیں پڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس کو تمام دنیا والوں کے عمل کے برابر ثواب عنایت فرماتا ہے۔

مروی ہے کہ خالد بن عقبہ نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے سامنے قرآن پڑھئے آپ نے آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ بیشک اللہ تم لوگوں کو عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ آخر تک تلاوت فرمائی۔ خالد نے عرض کیا کہ دوبارہ پڑھیے آپ نے دوبارہ تلاوت فرمائی۔ انہوں نے کہا اس میں تو

حلاوت بھی ہے اور ملاحت بھی اس کے نیچے کا حصہ مینہ برساتا ہے تو اوپر کا حصہ بہت سا ثمرہ رکھتا ہے یہ آدمی کا قول نہیں ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ بخدا قرآن سے بڑھ کر کوئی تونگری نہیں ہے اور نہ اس کے بعد کوئی احتیاج۔

حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص سورۂ حشر کا اخیر حصہ صبح کے وقت پڑھے اور اسی روز اس کی قضا ہو تو وہ قطعی شہید ہے اور جو کوئی اس کو شام کو پڑھے اور اسی رات میں مرے تو اس کا بھی یہی حال ہے۔

قاسم بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ایک عابد سے پوچھا کہ یہاں کوئی ایسا نہیں جس سے تم کو انس ہو۔ انھوں نے اپنا ہاتھ قرآن مجید کی طرف بڑھا کر اس کو اپنی گود میں رکھ لیا اور کہا کہ یہ انیس ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ہیں جن سے حافظہ زیادہ ہوتا ہے اور وہ بلغم کو دور کرتی ہیں۔ اول مسواک کرنا، دوم روزہ رکھنا، سوم قرآن پڑھنا۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں حالانکہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

میسرہ کا بیان ہے کہ بدکار آدمی کے پیٹ میں قرآن بیکس و مسافر کے مانند ہے۔ اور ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ جب قرآن کے حافظ قرآن پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو جانو کہ دوزخ کے فرشتے بت پرستوں کی نسبت ایسے ہی حافظوں کو جلد پکڑیں گے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جب آدمی قرآن پڑھتا ہے پھر دوسری گفتگو

اُس میں ملا دیتا ہے پھر پڑھنے لگتا ہے تو اُس سے کہا جاتا ہے کہ تجھ کو ہمارے کلام سے بلا واسطہ۔ اور ابن رباح کا قول ہے کہ میں کلام مجید کو یاد کر کے پچھتایا اس لئے کہ میں نے سنا ہے کہ قیامت کے دن قرآن والوں سے وہ سوال ہوگا جو انبیاء علیہم السلام سے ہوگا۔

تلاوت کے ظاہری آداب

قرآن کی تلاوت کرنے والے کو چاہیئے کہ باوضو اوب و وقار کی صورت میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قبلہ رُخ گردن جھکائے ہوئے ہو چہار زانو یا تکیہ لگا کر تابراز شکل میں تلاوت نہ کرے اور تنہا اس طرح بیٹھے جیسے شاگرد اُستاد کے سامنے بیٹھتے ہیں اور یہ حالت سب سے بہتر ہے کہ قرآن کو نماز کے اندر کھڑے ہو کر سجدہ میں پڑھا جائے بے وضو لیٹ کر پڑھنے کا بھی ثواب ہے۔ لیکن اوّل الذکر تلاوت افضل اعمال میں سے ہے۔ ارشاد باری ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور دھیان کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں۔ اس آیت میں اگرچہ ہر حالت کی تعریف فرمائی لیکن قیام چونکہ افضل ہے۔ اس لئے اس کو اول بیان فرمایا۔ اس کے بعد قعود اور پھر سب سے آخر میں لیٹ کر تلاوت کرنے کا ذکر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن کی تلاوت نماز کے اندر کھڑا ہو کر کرے اُس کو ہر حرف کے بدلے میں سو نیکیوں کا ثواب ملیگا۔ اور نماز کے اندر بیٹھکر پڑھنے والے کو ہر حرف پر پچاس نیکیوں کا اور جو نماز میں نہ ہو مگر باوضو قرآن پڑھے

تو پچیس نیکیوں اور بے وضو پڑھنے والے کو دس کا ثواب ملیگا۔ رات کے وقت چونکہ جمعیت خاطر ہوتی ہے اس سے اگر رات میں قیام کے اندر تلاوت ہو تو سب سے بہتر ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سجدوں کی کثرت دن میں اور قیام کی زیادتی شب میں ہونی چاہیے۔

تلاوت کی مقدار | بہت اور تھوڑا پڑھنے میں عادات جدا جدا ہیں۔ دن رات میں کوئی تو ایک ختم کرتا ہے کوئی دو اور بعض نے تین ختم تک نوبت پہنچادی ہے۔ لیکن بعض لوگ ایک مہینہ میں ایک ختم کرتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ مقدار قرأت میں آنحضرت صلعم کے اس ارشاد کی طرف رجوع کیا جائے آپ فرماتے ہیں من قرأ القرآن فی اقل من ثلث لم یفقهه۔ جس شخص نے قرآن کو تین دن سے کم میں پڑھا اس نے اس کو (یعنی قرآن کو) نہیں سمجھا کیونکہ اس مقدار سے زیادہ پڑھنا حقِ تلاوت کے ادا کرنے کو مانع ہے

امّ المومنین حضرت عائشہؓ نے ایک شخص کے متعلق سنا کہ قرآن مجید کو بہت جلد پڑھتا ہے تو فرمایا کہ اس شخص نے نہ تو پڑھا اور نہ چپکا رہا۔ آنحضرت صلعم نے حضرت ابن عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ ایک ہفتہ میں ایک قرآن کا ختم کیا کرو۔ چنانچہ صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ زید بن ثابتؓ ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کا یہی دستور تھا کہ ہفتہ میں ایک ختم کیا کرتے تھے۔

ختم کے چار درجے ہیں شب و روز میں ایک ختم جس کو کچھ لوگوں نے مکروہ جانا ہے دوسرے ہر روز ایک پارہ کے حساب سے مہینے بھر میں ایک ختم۔ مگر یہ قرأت بہت ہی کم بالمقابل اوّل کے ہے ان دونوں کے درمیان کی دو درمیانہ درجے کی ہیں ایک تو یہ کہ ہفتہ میں ایک بار ختم کریں اور دوسرے یہ کہ ہفتہ میں دو بار تاکہ تقریباً تین دن میں ایک ختم ہو جائے اس صورت میں مستحب یہ ہے کہ ایک ختم دن میں پڑھا جائے۔ دوسرا

شب میں۔ دن والے ختم کو دوشنبہ کے روز صبح کی دو رکعتوں میں یا ان دونوں کے بعد تمام کیا جائے اور رات کے ختم کو جمعہ کی شب میں مغرب کی دو رکعتوں میں یا ان کے بعد تمام کیا جائے۔ یہ اس لئے تاکہ اول روز اور ابتدا شب میں دونوں ختم ہو جائیں اگر ختم شب کو ہوتا ہے تو فرشتے صبح تک اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں اور اگر دن کو ہوتا ہے تو یہی حال شام تک رہتا ہے تو ابتدا روز و شب میں ختم سے یہ فائدہ ہے کہ فرشتوں کی برکت تمام دن اور رات کو حاوی ہوگی۔

مقدار قرأت کی تفصیل یہ ہے کہ اگر پڑھنے والا عابد ہو اور طریق آخرت کو عمل کے ذریعہ سے طے کرنا چاہتا ہے تو اس کو ایک ہفتہ میں دو ختم سے کم نہیں کرنا چاہیئے اور اگر دل کے اعمال سے طے کرتا یا تعلیم میں مصروف رہتا ہے تو اس کے لئے ایک ہفتہ میں ایک ختم ہی کافی ہے اور اگر قرآن مجید کے معانی میں بہت زیادہ غور کرتا ہو تو اس کو ایک مہینہ میں ایک ہی ختم بس ہے۔ کیونکہ اس کو مکرر پڑھنے اور معانی کے سوچنے میں وقت زیادہ چاہیئے۔

تلاوت کی منزلیں | جو شخص ہفتہ میں ایک ختم کرنا چاہیے اس کے لئے قرآن مجید کی سات منزلیں ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ شب جمعہ کو شروع سے لیکر سورہ مائدہ کے اخیر تک پڑھتے اور شنبہ کی شب کو انعام سے ہود تک اور یکشنبہ کی رات کو سورہ یوسف سے مریم تک اور دوشنبہ کی شب کو طٰہٰ سے قصص تک اور منگل کی رات کو عنکبوت سے صٓ تک اور بدھ کی رات کو زمر سے سورہ رحمٰن تک اور پنجشنبہ کی رات کو سورہ واقعہ سے اخیر قرآن مجید تک اور حضرت ابن مسعودؓ بھی سات ہی منزلوں پر تقسیم کرتے تھے مگر ان کی ترتیب جدا تھی۔

کہتے ہیں کہ قرآن کی سات منزلیں ہیں جس کو اب فمی بشوق کہتے ہیں۔ پہلی

منزل تین سورتوں کی دوسری پانچ کی تیسری سات کی چوتھی نو کی پانچویں گیارہ کی چھٹی تیرہ کی ساتویں سورۂ قاف سے لیکر اخیر تک کی۔ فمی بشوق یعنی ف سے فاتحہ م سے مائدہ ی سے یونس ب سے بنی اسرائیل ش سے شعراء و سے والصافات اور ق سے سورۂ قاف مراد ہے صحابہؓ کی مقرر کردہ یہی منزلیں ہیں اور وہ اسی طرح پڑھا بھی کرتے تھے۔ یہ ترتیب خمس، عشر اور اجزاء کے بننے سے پہلے کی ہے اور اس کے بارے میں آنحضرت صلعم کی ایک حدیث بھی مروی ہے۔

قرآن مجید کی کتابت

مستحب ہے کہ قرآن مجید کو خوشخط اور صاف لکھا جائے۔ سرخ روشنائی سے نقاط اور علامات کے اظہار میں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اس میں زینت، توضیح اور پڑھنے والوں کو غلط پڑھنے سے روکنا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ قرآن مجید میں خمس، عشر اور جزو کو برا جانتے تھے۔ شعبیؒ اور ابراہیمؒ سے مروی ہے کہ وہ بھی سرخی سے نقطے اور اس پر اجرت لینے کو مکروہ جانتے تھے اور قرآن مجید کو صاف لکھنے کی تاکید کرتے تھے اگرچہ اس میں کوئی خرابی نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ آئندہ جن خرابیوں کا گمان ہو سکتا تھا اس کا پہلے ہی سے سد باب مد نظر تھا لہذا ان امور سے اگر کسی قسم کی خرابی نہ ہو تو ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کا نو ایجاد ہونا بری بات نہیں کیونکہ بہتیری ایجاد فائدہ مند ہیں۔ لہذا ان سے بے اعتنائی نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ تراویح کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ مگر بہتر ایجاد ہے اور بدعت حسنہ ہے۔ بری ایجاد یا بری بدعت وہ ہے جو سنت کے تضاد اور سنت کو بدل دینے والی ہو۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ وہ نقطے لگائے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت تو کر لیتے تھے مگر خود اس سے بچتے تھے اور اوزاعی یحیٰی بن کثیر سے نقل کرتے ہیں کہ پہلے قرآن مجید

مصاحف میں بالکل صاف تھا۔ پہلے پہل جو بات نئی پیدا ہوئی وہ یہ کہ ب اور ت پر نقطے دیئے گئے۔ ان کا قول ہے کہ اس کا کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ قرآن کا نور ہے۔ پھر اس کے بعد اختتام پر بڑے نقطے ایجاد ہوئے انھیں کا قول ہے کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ان سے آیات کا سرا معلوم ہوتا ہے اور اس کے بعد انجام و آغاز کے نشانات پیدا ہوئے۔

ابوبکر ہذلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ مصحف پر سُرخ اعراب لگانا کیسا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ قرآن پر اعراب لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خالد کا قول ہے کہ میں حضرت ابن سیرینؒ کے پاس گیا اور ان کو دیکھا کہ اعراب دیئے ہوئے قرآن میں تلاوت کر رہے ہیں حالانکہ اعراب کو بُرا جانتے تھے کہتے ہیں کہ اعراب لگانے کی ایجاد حجاج کی ہے اس نے قاریوں کو بلایا۔ قرآن مجید کے کلمات و حروف گنے گئے پھر برابر برابر حصے کر کے تیس پاروں میں تقسیم کیا، نصف اور ربع قرار دیئے گئے۔

قرآن مجید کا اچھی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مستحب ہے۔

عنقریب بیان آئیگا کہ قرأت سے مراد تفکر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جب اچھی طرح ٹھہر کر پڑھیگا تو تفکر پر مدد ملے گی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلعم کی قرأت کی صفت بیان کی تو ایک ایک کلمہ کو جدا جدا کر کے بیان کیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اگر سورۂ بقرہ اور آل عمران کو ٹھہر کر پڑھوں اور ان کو سمجھتا جاؤں تو اس سے بہتر جانتا ہوں کہ پورے قرآن کو جلد جلد پڑھ جاؤں۔ یہ بھی انھیں کا ارشاد ہے کہ میں اگر اذا زلزلت اور القارعۃ کو سمجھ کر پڑھوں تو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ سورۂ بقر اور آلِ عمران کو گھسیٹ جاؤں۔ کسی نے مجاہدؒ سے پوچھا کہ دو شخص نماز میں کھڑے ہوئے اور برابر ہی کھڑے رہے مگر

ایک نے سورۂ بقرہ پڑھی اور دوسرے نے پورا قرآن پڑھا تو کون زیادہ مستحق ہوا تو جواب دیا کہ دونوں کا ثواب برابر ہوا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ٹھہر کر پڑھنا صرف اس لئے مستحب نہیں ہے کہ اُس کے معنی ہی سمجھے جائیں۔ کیونکہ عجمی اگر عربی نہ سمجھتا تو وہ قرآن کے معنی کیونکر سمجھے گا۔ تاہم پڑھنا اُس کے لئے بھی ٹھہر کر مستحب ہے کیونکہ ٹھہر کر پڑھنے میں قرآن کی توقیر اور حرمت جلد پڑھنے کی نسبت دل پر زیادہ اثر کرنیوالی ہے۔

قرأت کے ساتھ رونا مستحب ہے

آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ قرآن پڑھو اور گریہ کرو اور اگر رونا نہ آئے تو (کم سے کم) رونی صورت بناؤ۔ یہ بھی ارشاد ہے لیس منا من لم یتغنی بالقرآن وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن میں خوشحالی نہ کرے صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلعم کے سامنے خواب میں قرآن مجید پڑھا آپ نے فرمایا کہ صالح یہ تو قرأت ہوئی رونا کہاں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب تم سجدے والی آیت پڑھو تو سجدہ کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اور اُس وقت تک فارغ نہ ہو جب تک گریہ نہ کر لو۔ اور اگر تم میں سے کسی کی آنکھ سے آنسو نہ نکلے تو لازم ہے کہ اس کا دل زاری کرے۔ بتکلف رونے کی یہ صورت ہے کہ اپنے دل پر حزن کا عالم طاری کرے کیونکہ رونا غم سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ قرآن حزن کے ساتھ نازل کیا گیا ہے پس جب تم اُس کو پڑھو تو حزن الکیا کرو اور حزن کے دل میں موجود کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ قرآن کی تہدید، وعید، عہد، و میثاق کو سوچے اور پھر اُس کے اوامر و نواہی کے پورا کرنے میں اپنی کوتاہیوں کا خیال کرلے تو یقین ہے کہ اس سے ضرور حزن پیدا ہوگا اور باعث گریہ ہوگا اور اگر اس تدبیر سے بھی صاف دل والوں کی طرح رونا نہ آئے تو حزن و گریہ کے نہ ہونے پر

رونا چاہیے کہ یہ انتہا درجہ کی سخت دلی ہے۔

آیات کے حقوق کا لحاظ

یعنی جب آیتِ سجدہ پر گذر ہو تو سجدہ کرنا چاہیے یا دوسرے سے آیتِ سجدہ کو سُننے تو پڑھنے والے کے ساتھ خود بھی سجدہ کرے۔ مگر سجدے کا حالتِ طہارت میں ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں کل چودہ سجدے ہیں۔ سجدۂ تلاوت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی پیشانی زمین پر لگا دے۔ اور کامل سجدہ یہ ہوگا کہ تکبیر کہکر سجدہ کرے اور سجدے میں ایسی دعا مانگے جو آیتِ سجدہ سے مناسبت رکھتی ہو۔ مثلاً جب یہ آیت آئے خروا سجدا وسبحوا بحمد ربھم لا یستکبرون تو سجدے کے اندر یہ دعا مانگے۔ اے اللہ تو مجھ کو اپنی ذات کے لئے سجدہ کرنے والوں میں اور اپنی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرنے والوں میں بنادے میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تیرے حکم سے تکبر کرنے والا بنوں۔ یا تیرے دوستوں پر بڑائی جتانے والا بنوں اس آیت ویخرون للاذقان یبکون یزیدھم خشوعا پر گذرے جس کا مطلب یہ ہے۔ اور ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گرتے ہیں اور اُن کی عاجزی میں زیادتی ہوتی ہے تو یہ دعا کرے۔ الٰہی تو ہم کو رونے والوں میں سے کردے۔ اور اپنے سامنے فروتنی کرنے والوں میں سے بنادے۔ غرض یہ ہے کہ سجدے کی آیت کے موافق سجدے میں دُعا پڑھنی چاہیئے۔

سجدۂ تلاوت کے لئے بھی وہی شرطیں ہیں جو نماز کے لئے ہیں۔ سترِ عورت کا ڈھانکنا۔ قبلہ رُو ہونا۔ کپڑے کا پاک ہونا۔ جسم کا حدث اور نجاست سے طاہر ہونا۔ اگر آیتِ سجدہ کا سُننے والا اس وقت طہارت سے نہ ہو تو پھر جس وقت طہارت کرے اس وقت

سجدہ کرے۔

سجدۂ تلاوت کے کامل ہونے کے متعلق بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ نیتِ تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھا کر پہلے اللہ اکبر کہے پھر سجدہ کرنے کے لئے اللہ اکبر کہے اسی طرح سر اٹھانے کیلئے اللہ اکبر کہے اس کے بعد سلام پھیرنا چاہیئے۔ بعض نے سجدۂ تلاوت میں تشہد کو بھی شامل کیا ہے جس کی اس کے سوا کوئی اصل نہیں معلوم ہوتی کہ اس کو بھی نماز پر قیاس کیا ہو مگر یہ بعید ہے اس لئے کہ سجدے کا حکم سجدے کی جہت سے ہے لہٰذا اس میں لفظ سجدے کا بھی لحاظ کرنا چاہیے۔ اور مقتدی کو لازم ہے کہ امام کے سجدہ کرنے کے وقت سجدہ کرے۔ اقتدا کی حالت میں اپنی تلاوت کا سجدہ نہ کرے۔

تعوذ و تسمیہ | تلاوت شروع کرتے وقت اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ۰ رب اعوذ بك من همزات الشیاطین واعوذ بك رب ان یحضرون ۰ قل اعوذ برب الناس اور سورۃ الحمد پڑھنی چاہیئے اور ہر سورت کے تمام ہونے پر صدق اللہ تعالیٰ وبلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللّٰھم انفعنا وبارك لنا فیه الحمد لله رب العالمین واستغفر الله الحی القیوم کہنا چاہیے۔ اثنائے تلاوت میں جب آیت تسبیح پر گذر ہو تو سبحان اللہ واللہ اکبر کہے۔ دعا و استغفار کی آیت پر دعا و استغفار کرنا چاہیے۔ آیت رجا پر جہاں امید دلائی گئی ہو۔ اس کی درخواست کرنی چاہیئے اور خوف کی آیت پر پناہ مانگنی چاہیئے خواہ زبان سے ہو یا دل سے مثلاً یوں کہے نعوذ باللہ اللّٰھم ارزقنا اللّٰھم ارحمنا۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ الٰہی ہم کو روزی دے اے اللہ ہم پر رحم کر۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے سورۂ بقر شروع کی تو کسی آیتِ رحمت پر نہ گذرے کہ دعا نہ مانگی ہو کسی آیتِ عذاب پر نہ گذرے کہ پناہ نہ مانگی ہو کسی آیتِ تنزیہ کو تلاوت نہ فرمایا کہ سبحان اللہ نہ کہا ہو تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ختم کے وقت فرمایا کرتے تھے۔ اللھم ارحمنا بالقراٰن واجعلہ لی اماما و نوراً وھدًی ورحمۃ ۰ اللھم ذکرنی منہ مانسیت وعلمنی منہ ماجھلت وارزقنی تلاوتہ اناء اللیل واطراف النھار واجعلہ لی حجۃ یارب العٰلمین۔ الٰہی مجھ پر قرآن کے ذریعہ رحم فرما۔ الٰہی قرآن کو میرا امام بنا دے۔ الٰہی قرآن کو میرے لئے نور۔ اور ہدایت گرداں۔ الٰہی جو میں بھول گیا ہوں اُس کو قرآن کے ذریعہ یاد دلا دے۔ الٰہی مجھ کو جتا دے جو میں نے نہ جانا ہو۔ رات کی گھڑیوں میں دن کے اوقاتِ صبح و شام میں مجھ کو قرآن کی تلاوت کی توفیق عطا فرما۔ اے سارے جہاں کے پروردگار تو میرے لئے قرآن کو حجت فرما دے۔

قرآن مجید کی باواز بلند تلاوت اتنا آواز بلند سے پڑھنا تو بیشک ضروری ہے کہ اپنا پڑھنا آپ سُن لے اس لئے کہ قرأت کے معنیٰ یہ ہیں کہ آواز سے حروف پارہ پارہ ہو جائے۔ لہٰذا آواز کا قرأت میں ہونا ضروری ہے جس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوں اور ادنیٰ مرتبہ کی قرأت یہ ہے کہ اپنی آپ سُنے اور اگر خود نہ سنیگا تو ایسی قرأت سے نماز نہ ہوگی اس لئے کہ وہ داخلِ قرأت باقی نہیں رہا۔ اتنا پکار کر پڑھنا کہ دوسرا شخص سُنے تو وہ ایک طرح سے اچھا ہے اور ایک وجہ سے اچھا نہیں۔

آہستہ پڑھنے کے مستحب ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے

فرمایا۔ آہستہ پڑھنے کی فضیلت پکار کر پڑھنے والے پر ایسی ہے جیسی خفیہ صدقہ دینے کی علانیہ خیرات دینے پر۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ قرآن کو پکار کر پڑھنے والا ایسا ہے جیسے علانیہ صدقہ دینے والا۔ اور آہستہ پڑھنے والا ایسا ہے جیسے خفیہ خیرات کرنے والا اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ خفیہ عمل علانیہ عمل سے ستر گنا زیادہ ہے اور اسی طرح یہ ارشاد خیر الرزق ما یکفی وخیر الذکر الخفی بہتر رزق وہ ہے جو کافی ہو اور بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا مغرب اور عشا کے درمیان کی قرأت میں ایک دوسرے پر پکار کر مت پڑھو۔ مسجد نبوی صلعم میں ایک رات سعید بن مسیب رضؓ نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو دیکھا کہ نماز میں کلام مجید بآواز بلند پڑھ رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے غلام سے کہا کہ اس نمازی کے پاس جاؤ اور کہو کہ اپنی آواز کو پست کرو۔ غلام نے کہا کہ مسجد کچھ ہماری نہیں ہے اس میں اس شخص کا بھی نماز پڑھنے کا حق ہے۔ میں منع نہیں کر سکتا۔ حضرت سعیدؒ نے بلند آواز سے کہا کہ اے نمازی اگر تجھ کو اپنی نماز سے مقصود خدائے تعالیٰ ہے تو اپنی آواز کو پست کر اور خلق مقصود ہے تو وہ خدا کے یہاں تیرے کسی کام نہ آئیگی۔ یہ سنکر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ چپ ہو گئے۔ رکعت کا اختصار کیا اور سلام پھیر اپنی جوتیاں لے کر مکان کو چلے گئے۔ آپ خوش آواز تھے اور اس زمانے میں مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔

پکار کر پڑھنے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے چند اصحاب کو سنا کہ رات کی نماز میں قرآن پکار کر پڑھتے ہیں تو آپ نے ان کے پڑھنے کو درست فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی رات کے وقت اٹھ کر نماز پڑھے تو قرات آواز بلند سے ہو کیونکہ فرشتے اور اس مکان کے جنات اسکی قرأت

سنتے ہیں اور وہی نماز وہ بھی پڑھتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کا گذر اپنے اصحاب میں سے ایسے تین شخصوں پر ہوا۔ جن کے حالات مختلف تھے حضرت ابو بکرؓ کو دیکھا کہ بہت آہستہ پڑھ رہے تھے آپ نے اُن سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ جس سے میں مناجات کرتا ہوں وہ بیشک میری سنتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو دیکھا تو وہ پکار پکار کر پڑھ رہے تھے آپ نے اُن سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے عرض کیا کہ میں سوتوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو جھڑکتا ہوں۔ اسی طرح حضرت بلالؓ پر گذرے تو دیکھا کہ وہ چند آیتیں ایک سورت کی اور چند دوسری کی ملا کر پڑھ رہے ہیں جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو عرض کیا کہ میں عمدہ کو عمدہ کے ساتھ ملا رہا ہوں آپؐ نے فرمایا کہ تم سب نے خوب کیا اور بہتر کیا۔

خفیہ اور علانیہ ہر دو کے پڑھنے میں جب احادیث وارد ہیں تو اب ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آہستہ پڑھنا ریا سے خالی ہے، بناوٹ کو اس میں دخل نہیں تو جو شخص اپنے نفس پر ریا اور بناوٹ کا خوف رکھتا ہو اُس کے حق میں آہستہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔ اور اگر اس امر کا خوف نہ ہو اور نہ ہی پکار کر پڑھنے سے کسی دوسرے کے پڑھنے میں خلل ہوتا ہو تو اس صورت میں پکار کر پڑھنا افضل ہے اس لئے کہ اس میں عمل بہت ہے اور اس کا فائدہ غیر کو بھی پہنچتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو خیر دوسرے کو بھی پہنچے وہ اس سے بہتر ہے جو ایک ہی کو پہنچے اور ایک سبب یہ بھی ہے کہ پکار کر پڑھنا قاری کے دل کو ہوشیار کرتا ہے اور اس کی ہمت کو قرآن میں فکر کرنے کے لئے جمع کر دیتا ہے اور اس کے کان کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ نیند کو دفع کر دیتا ہے، پڑھنے کے مزے میں زیادتی پیدا ہو جاتی ہے، تکان کم ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی امید ہوتی ہے کہ کوئی سوتا ہوا

آدمی آواز سن کر جاگ پڑے تو اس کی شب بیداری کا باعث پڑھنے والا ہی ہوگا۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی غافل اور بیکار آدمی اس کو دیکھ کر خوابِ غفلت سے ہوشیار ہوتا اور بمصداق آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ قاری کی کیفیت اس کے دل میں اثر کر جاتی اور کچھ کرنے کے لئے مستعد ہو جاتا ہے۔ پس اگر قاری کے لئے ان باتوں میں سے کوئی بات میسر آتی ہو تو بآواز بلند پڑھنا اچھا ہے اور اگر یہ سب نیتیں جمع ہو جائیں تو اجر بھی متضاعف ہوگا۔ اس لئے کہ نیتوں کی کثرت سے اعمال بھی بڑھتے ہیں اور ان کا ثواب متضاعف ہوتا ہے مثلاً ایک کام میں دس نیتیں ہوں تو ثواب بھی اس کے دس ہوں گے ہم کہتے ہیں کہ اس بناء پر قرآن کو مصحف میں دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں آنکھ کا کام اور مصحف کا دیکھنا اور اٹھانا زیادہ ہے اسی وجہ سے اس کا ثواب زیادہ ہوگا بعضوں نے تو کہا ہے کہ دیکھ کر قرآن پڑھنا سات گنا ثواب رکھتا ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ مصحف کا دیکھنا بھی تو عبادت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کثرت سے مصحف میں تلاوت کرتے تھے کہ دو قرآن آپ کے پاس پھٹ گئے تھے اور اکثر صحابہ کا معمول بھی دیکھ کر تلاوت کرنا تھا اور اس بات کو برا سمجھتے تھے کہ کوئی دن ایسا گذرے جس میں مصحف کو نہ دیکھ لیں۔

مصر کے ایک فقیہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سحر کے وقت آئے اور آپ کے سامنے قرآن مجید کھلا ہوا تھا آپ نے اس فقیہ سے کہا کہ فقہ نے تم کو قرآن سے روک دیا مجھ کو دیکھو کہ میں عشاء پڑھ کر قرآن اپنے سامنے رکھتا ہوں اور صبح تک اس کو بند نہیں کرتا۔

قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا اور قرأت کو سنوار کر ادا کرنا۔ حروف کو اتنا نہیں کھینچنا چاہیے۔ کہ الفاظ بدل جائیں یا ان کے انتظام میں ابتری پیدا ہو جائے سنت

یہ ہے کہ ایک خوبی اور اچھی نیت کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ زینوا القراٰن باصواتکم اپنی آوازوں سے قرآن کو آراستہ کرو۔ اور فرمایا اذن اللہ بشیئٍ ما اذن لنبی یتغنی بالقراٰن اللہ تعالیٰ نے اور کسی چیز کا اس قدر حکم نہیں دیا۔ جتنا قرآن کی خوش آوازی کے لئے کسی نبی کو حکم دیا ہے اور فرمایا لیس منا من لم یتغن بالقراٰن وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے۔ اس حدیث سے بعض نے استغنا مراد لی ہے۔ اور بعض نے لہجے کے ساتھ سنوارنا مراد کیا ہے۔ لیکن لغت والوں کے نزدیک پچھلے ہی معنی قرین صواب ہے اور مروی ہے کہ ایک رات آنحضرت صلعم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتظار فرما رہے تھے وہ دیر کرکے تشریف لائیں تو آپ نے فرمایا کہ دیر کیوں ہوئی۔ انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں ایک شخص کی قرأت سنتی تھی کہ اس سے زیادہ خوش آواز میں نے نہیں سُنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور تشریف لیجاکر اس شخص کی تلاوت دیر تک سن کر لوٹ آئے اور فرمایا کہ یہ شخص ابوحذیفہ رضؓ کا مولا ہے خدا کا شکر ہے کہ جس نے میری امت میں ایسا شخص کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی تلاوت سُنی اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے بہت دیر تک کھڑے سنتے رہے پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا من اراد ان یقرأ القراٰن غضًا کما انزل فلیقرأ علٰی قرأۃ ابن ام عبد جو شخص چاہے کہ قرآن آہستہ اور اچھی آواز سے پڑھے جیسا کہ وہ اُترا ہے تو اس کو چاہیئے کہ ابن مسعود کی قرأت سے پڑھے اور ایک بار آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کا پڑھنا سنا تو فرمایا کہ اس شخص کو حضرت داؤد کی

لحن میں سے حصہ عنایت ہوا ہے یہ خبر حضرت موسیٰ اشعری نے سنی تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ سُن رہے ہیں تو آپ کے لئے زیادہ بنا سنوار کر پڑھتا۔

تلاوت کے باطنی آداب

کلام کی عظمت و بزرگی کا جاننا اور خدائے تعالیٰ کے فضل و احسان کو خلق پر سمجھنا کہ اس نے عرش بریں سے اس کلام کو اس درجہ میں اُتار دیا کہ خلق کی سمجھ میں آجائے تو اس سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ رحمان و رحیم خدا کی مہربانی خلق پر کتنی ہے کہ جو کلام اس کی صفتِ قدیم اور اُس کی ذات کے ساتھ قائم تھا اس کے معانی کو خلق کی سمجھ میں پہنچا دیا اور وہ صفت حروف و اصوات کی شکل میں کس طرح خلق پر ظاہر ہو گئی۔ حالانکہ حروف و اصوات تو بشر کے صفات ہیں لیکن چونکہ بشر کو طاقت نہیں کہ بغیر ذریعہ کے اپنے صفاتِ نفس کے ذریعہ کے بغیر خدائے تعالیٰ کی صفات کو سمجھ سکے۔ اس لئے اس حروف و اصوات کے پیرایہ میں اس کو کر دیا۔ بالفرض کلامِ الٰہی کے جلال و جبروت کے بھید حروف کے پیرایہ میں چھپے نہ ہوتے تو عرش بھی اس کلام کے سننے کی تاب نہ لاتا اور نہ زمین کو یارائے سماعت ہوتی بلکہ اس کی عظمت کے دبدبہ سے عرش سے فرش تک ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ کلام کی عظمت کا سمجھانا ایسی مثالوں کے بغیر ممکن نہیں جو خلق کی فہم کی حد تک ہوں اور اسی نظر سے بعض عارفوں نے اس عظمت کی اس طرح تعبیر کی ہے کہ کلامِ الٰہی میں سے لوح محفوظ میں ہر حرف کوہِ قاف سے بڑا ہے اور سب فرشتے اس بات پر متفق ہوں کہ

اس کے ایک حرف کو اٹھائیں تو ان کو اس کی طاقت نہ ہو۔ حضرت اسرافیل علیہ السّلام اس لئے اٹھا لیتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو ثابت نہ رکھتا تو ان کو اس کے کلام کے سننے کی تاب نہ ہوتی جیسا کہ کوہ طور کو ادنیٰ تجلّی کے برداشت کی تاب نہ ہوئی اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اس کے باوجود کہ کلام باری کا اعلیٰ درجہ ہے اس کے معانی فہم انسان میں پہنچیں اور آدمی کم رتبہ ہو کر اس کے سمجھنے میں ثابت رہا۔ اس کے لئے ایک حکیم نے نہایت پاکیزہ وجہ بیان کی ہے اور نادر مثال لکھی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے کسی بادشاہ سے استدعا کی کہ انبیاء علیہم السّلام کی شریعت اختیار کرو۔ بادشاہ نے اس حکیم سے چند باتیں پوچھیں ان کا جواب حکیم نے ایسا دیا جو بادشاہ کی سمجھ میں آ سکے۔ پھر بادشاہ نے یہ پوچھا کہ بھلا یہ تو بتاؤ جو کلام انبیاء لائے ہیں اس کے متعلق تم دعویٰ کرتے ہو کہ وہ آدمیوں کے کلام نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔ پھر اس کلام کو آدمی کیسے سمجھتے ہیں۔ حکیم نے جواب دیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کسی چوپایہ یا پرند کو سمجھانا چاہتے ہیں مثلاً آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا یا پشت پھیرنا وغیرہ اور ان کو معلوم ہے کہ چوپایوں کی سمجھ اس بات سے قاصر ہے کہ ہمارے کلام کو سمجھ لیں تو بالضرور بہائم کے درجہ کی طرف اترنا پڑتا ہے اور اپنے مقصود کو انکے اندر ایسی آوازوں سے پہنچاتے ہیں جو بہائم کی سمجھ کے مناسب ہو جیسے شخ شخ کرنا اور سیٹی بجانا اور اسی کے قریب دوسری آوازیں جن کو جانور سمجھ سکیں اسی طرح آدمی بھی کلامِ الٰہی کی ماہیت اور کمالِ صفات کے سمجھنے سے عاجز ہیں تو انبیا نے بھی اُن کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کیا جو آدمی چوپایوں کے ساتھ برتتے ہیں یعنی اس کلام پاک کو ایسے الفاظ و حروف میں بیان کیا جس سے آدمی اس کی حکمت کو سمجھ جائیں جیسے جانور سیٹی وغیرہ سے ان کے مطالبات کو سمجھ لیتے ہیں اور چونکہ حکمت کے معانی ان حروف

واصوات میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ اسی جہت سے ان معانی کی شرافت اور عظمت کے سبب سے کلام کی عظمت کیجاتی ہے گویا آواز حکمت کا جسم اور مکان ہے اور حکمت آواز کے لئے روح اور جان کی مصداق ہے۔ پس جیسے آدمیوں کے جسم روح کے ہونے کے باعث مکرم اور معزز ہوتے ہیں۔ اسی طرح کلام کے اصوات وحروف بھی ان حکمتوں کی جہت سے جوان کی اندر ہوتی ہیں مشرف مقصود ہوتے ہیں اور کلام منزلت بلند اور درجہ رفیع رکھتا ہے۔ غلبہ میں زبردست حق و باطل میں حکم جاری کرنے والا، حاکم عادل اور گواہ پسندیدہ ہے اسی سے امر ہوتا ہے اور یہی نہی کرتا ہے۔ باطل کو یہ تاب نہیں کہ حکمت کے کلام کے سامنے ٹھہرے جیسے سایہ آفتاب کی شعاع کے سامنے نہیں ٹھہرتا۔ اور انسانوں کو یہ طاقت نہیں کہ حکمت کی تہ کے پار ہوسکیں۔ جیسے کہ ان کو یہ مقدور نہیں کہ اپنی آنکھوں کو آفتاب جسم کے پار کردیں۔ لیکن آفتاب کی روشنی سے ان کو اسی قدر ملتا ہے جس سے ان کی آنکھوں میں نور آجائے۔ اور صرف اپنی حاجات کو پورا کرلیں۔ الغرض کلام کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ کوئی بادشاہ ہے جس کا چہرہ معلوم نہیں ہوتا اور اس کا حکم جاری ہے یا آفتاب ہے کہ اس کی روشنی ظاہر ہے اور اس کا عنصر پوشیدہ ہے یا ستارے روشن ہیں کہ بعض اوقات جس شخص کو اس کے حال سے واقفیت نہیں اس کو بھی اس سے راہ مل جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ یہ کلام نہایت نفیس خزانوں کی کلید ہے اور یہ وہ آبحیات ہے کہ جس نے اس میں سے پیا وہ زندۂ جاوید ہوا اور ایسی دوا کہ جس نے اس کو استعمال کیا کبھی بیمار نہوا۔

کلام کرنے والے کی عظمت قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے سے پہلے کلام کرنے والے کی عظمت کو دل میں حاضر کرنا چاہیئے۔ اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو کچھ میں پڑھتا ہوں یہ آدمی کا کلام نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے۔

قرآنِ مجید کی شان میں ہے لا یمسہ الا المطہرون اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی تلاوت سے اسی وقت فائدے ہوں گے جبکہ خطرات سے اپنے کو محفوظ رکھا جائے جس طرح قرآن کی جلد اور اوراقِ ظاہر آدمی کے عضو اور جلد سے بغیر طہارت چھوجانے سے محفوظ ہیں اسی طرح اس کے باطن کا بھی حال ہے یعنی جب تک ہر طرح کی ناپاکی سے پاک نہ ہوجائے اور نورِ تعظیم و توقیر سے روشن نہ ہولے اس کے معنی بھی اپنی عزت و بزرگی کے سبب اس میں داخل نہیں ہوتے اور جس طرح کہ ہر ایک ہاتھ مصحف مبارک کے چھونے کا شایان شان نہیں اسی طرح اس کے حروف کی تلاوت کے بھی ہر زبان لیاقت نہیں رکھتی اور نہ ہر دل معانی کے حصول کی قابلیت رکھتا ہے اس کی تعظیم کا یہ حال ہے کہ حضرت عکرمہؓ جب قرآن مجید کو کھولتے تو بیہوش ہوجاتے اور کہتے کہ یہ کلام میرے پروردگار کا ہے۔ یہ کلام میرے رب کا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کلام کی عظمت سے متکلم کی عظمت ہوتی ہے اور اس وقت تک متکلم کی عظمت دل میں نہیں آتی جب تک کہ اس کے صفات اس کی بزرگی اور اس کے افعال میں فکر نہ کیجائے۔ پس جبکہ قاری کے دل میں عرش و کرسی، آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں یعنی جن و انسان، اور حیوانات و نباتات وغیرہ آئیں اور جانے کہ ان سب کا پیدا کرنے والا، ان پر قدرت رکھنے والا، ان کو روزی دینے والا خدائے واحد و یکتا ہے اور سب کے سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اس کے فضل اس کی رحمت اور اس کے عذاب میں متردد ہیں اگر وہ انعام کریگا تو اپنے فضل سے اور اگر عذاب کریگا تو اپنے عدل سے۔ یہ اسی کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ بہشت کے لئے ہیں اور مجھ کو پروا نہیں اور یہ لوگ دوزخ کے واسطے ہیں اور مجھ کو پروا نہیں اور یہ

انتہا درجہ کی عظمت و بزرگی ہے۔ کہ کسی چیز کی پروانہ ہو۔ تو ایسی باتوں کے سوچنے سے متکلم کی عظمت دل میں آتی ہے پھر کلام کی تعظیم اُس میں جاگزین ہوتی ہے۔

دل کا حاضر ہونا اور حدیث نفس کا نہ ہونا

بعض مفسرینؒ نے یا یحییٰ خذ الکتٰب بقوۃ۔ اے یحییٰ اٹھالے کتاب کو زور سے۔ کی تفسیر میں کہا ہے کہ قوت سے مراد کوشش اور اجتہاد ہے اور کتاب کو کوشش سے لینے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس کی تلاوت کے وقت اُسی کا ہو رہے اور اپنی ہمت کو اُس میں صرف کر دے۔ دوسری طرف توجہ نہ ہونے پائے۔

بعض اکابرؒ سے کسی نے پوچھا کہ جب آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو اُس وقت اپنے جی میں کسی چیز کی بات کرتے ہیں یا نہیں انھوں نے فرمایا کہ بھلا قرآن سے زیادہ مجھے کوئی چیز پیاری ہے جس کی بات میں اپنے جی میں کروں۔

بعض اکابر سلف کا دستور تھا کہ جب کوئی سورہ پڑھتے اور اُس میں دل حاضر نہ ہوتا تو اُس کو دوبارہ پڑھتے۔ یہ صفت حضور دل کی پہلی صفت یعنی کلام کی تعظیم سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ جس کلام کو آدمی پڑھتا ہے اگر اُس کی تعظیم کریگا تو اُس سے اُنسیت حاصل ہوگی۔ اور بشاشت کا خواہاں ہوگا اور اُس سے غفلت نہ برتے گا۔ قرآن مجید میں وہی چیزیں ہیں جن میں اُنس ہو اور دل لگے مگر شرط یہ ہے کہ پڑھنے والا اسکا اہل بھی ہو۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص قرآن مجید کی تلاوت کرے اور پھر اُس کی طلب کسی دوسری چیز میں کرے۔ اس لئے کہ قرآن تو خود سیرگاہ اور تماشوں کا مقام ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص سیر کے مقامات کا تماشا کرتا ہو گا وہ اُن کے سوا اور چیزوں میں ہرگز فکر نہ کریگا۔

قرآن مجید میں میدان بھی ہیں، محلات بھی ہیں، باغات بھی ہیں، قصر اور عروسیں، دیبا کے

گلزار بھی ہیں۔ قرآن کے میم میدان، بے باغات، اور ح حجرے ہیں اور جن سورتوں کے
شروع میں سبحان یا سبح یا یسبح ہے وہ اسی میں داخل ہیں اور طٰس اُس کی عروسیں
ہیں اور ساتوں حٰم اس کے دیبا ہیں۔ مفصل سورتیں گلزار کے مانند ہیں اور ان
کے سوا جو ہیں وہ سب سرائیں ہیں۔ پس جب وقت قاری میدانوں میں داخل ہو اور باغات
کے میوے توڑے اور حجروں میں درآئے اور عروسوں کا نظارہ کرے۔ دیبا پہنے۔ گلزار
کی گلگشت کرے اور محل سرا کے دریچوں سے لطف اندوز ہو تو یہ باتیں اُس کو دوسری
طرف متوجہ نہ ہونے دیں گی انھیں میں ڈوبا رہے گا۔ دل علٰحدہ ہوگا اور نہ خیال بٹیگا۔

قرأت میں تامل کرنا۔

یہ امر حضور دل کے سوا ہے کہ بعض اوقات تلاوت کرنے والا قرآن کے سوا
دوسری چیز میں تو فکر نہیں کرتا مگر صرف اپنی زبان سے قرآن کو سنتا ہے اور سمجھتا
نہیں۔ حالانکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور تامل کرنا ہے اور یہی سبب ہے کہ ٹھہر کر پڑھنا مسنون
ہے تاکہ اگر ظاہر میں ٹھہر کر پڑھیگا تو دل میں سوچیگا اور سمجھتا جائے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جس عبادت میں سمجھ نہ ہو اُس میں برکت نہیں
ہوتی اور نہ جس تلاوت میں تامل ہو اُس میں بہتری ہوتی ہے۔ اگر تلاوت کرنے والا دوبارہ
پڑھے بغیر تامل نہ کرسکے تو لازم ہے کہ دوبارہ پڑھے لیکن امام کے پیچھے ایسا نہ چاہیئے کیونکہ اگر
یہ ایک آیت کو سوچتا رہیگا اور امام دوسری آیت کی تلاوت میں مشغول ہوگا تو مناسب نہیں
یہ ایسا ہوگا کہ کوئی شخص کسی کے کان میں بات کہے اور وہ ایک ہی لفظ پر تعجب کرنے
لگ جائے اور باقی گفتگو کو کچھ نہ سمجھے۔ ایسا نہ چاہیئے کہ امام تو رکوع میں ہو اور
یہ اُس کی پڑھی ہوئی آیت میں فکر کر رہا ہو بلکہ جو رکن ادا ہو رہا ہو اُسی کو ادا کرے اور
جو کچھ پڑھا جا رہا ہو اُسی کو سوچے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سوچنا بھی داخلِ وسواس نہ ہو جائے۔ چنانچہ عامر بن عبد قیس سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو نماز میں وسواس ہوا کرتا ہے لوگوں نے پوچھا کہ کیا دنیا کے معاملات کا وسوسہ ہوتا ہے تو فرمایا کہ دنیا کے وسوسوں سے تو میں اپنے حق میں اس کو بہتر جانتا ہوں کہ نیزے کی بھالیں میرے سینے کے پار کردی جائیں بلکہ وہ صورت یہ ہے کہ میرا دل پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے میں لگ جاتا ہے کہ یہاں سے کیسے پھروں اور کس طرح آگے بڑھوں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ عامر بن عبد قیس نے اس کو بھی وسواس سمجھا۔ اور واقعہ یہی ہے کہ اس اعتبار سے تو یہ وسواس ہے کہ آدمی جس رکن میں ہو اس کو سمجھنے نہیں دیتا۔ شیطان بعض لوگوں پر اس صورت کے سوا قابو نہیں پاتا کہ اُن کو کسی دینی ضرورت میں مشغول کردے اور اس کی وجہ سے افضل عبادت سے روک دے۔

مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور بیس دفعہ اس کو دُہرایا۔ ظاہر ہے کہ اتنی مرتبہ پڑھنے کی اس کے سوا دوسری وجہ نہ ہوگی کہ اُس کے معانی میں فکر فرماتے تھے۔

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک رات ہم کو نماز پڑھائی اور تمام رات ایک ہی آیت کو مکرر پڑھتے رہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العلیم الحکیم۔ اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف فرمادے تو تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

حضرت تمیم داری نے ایک رات پوری اس آیت میں بسر کردی۔ ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سواء

محیاھم و مماتھم ساء مایحکمون وہ لوگ جنہوں نے برائیاں کمائی ہیں کیا یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم اُن کے برابر ان کو دیں گے۔ جو یقین لائے اور نیکیاں کمائیں۔ ان کا مرنا جینا ایک ساں ہوگا۔ بُرے دعوے ہیں جو یہ کرتے ہیں۔

اسی طرح حضرت سعید بن جبیرؓ نے اس آیت کی تلاوت میں شام سے صبح کر دی۔ وامتازوا الیوم ایھا المجرمون اور تم الگ ہو جاؤ اے گنہگارو۔ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں ایک سورت شروع کرتا ہوں جس میں بعض ایسی بات کا مشاہدہ کرتا ہوں کہ صبح تک کھڑا رہتا ہوں اور وہ سورت پوری نہیں ہوتی۔ اور بعض اکابر فرماتے کہ جتنی آیتیں میں نہیں سمجھتا اور اُن میں میرا دل نہیں لگتا تو میں اس کے ثواب کا مستحق اپنے کو نہیں سمجھتا۔

ابو سلیمان دارانیؒ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں ایک آیت پڑھتا ہوں اور چار یا پانچ کامل راتیں اُسی میں بسر ہو جاتی ہیں۔ تاہم اگر میں خود اس میں فکر کرنا نہ چھوڑ دوں تو دوسری آیت کی نوبت ہی نہ آئے۔

بعض اکابر سلف سے منقول ہے کہ وہ سورۂ ھود میں چھ مہینے رہے اسی کو مکرر پڑھا کیئے اور اسی میں فکر کرنے سے فرصت نہ ملی۔

بعض عارف فرماتے ہیں کہ ایک تو میرا ختم ہفتہ وار ہے، ایک ہر ماہ، ایک ہر سال میں اور ایک وہ ہے کہ تیس برس سے میں نے شروع کیا ہے اور ابھی تک اس سے فراغت نہیں ہوئی یعنی جس قدر فکر اور تفتیش ہو اُسی قدر مدت ختم کی بڑھتی ہے اور ان بزرگ کا یہ بھی قول تھا کہ میں نے اپنے نفس کو مزدور کے قائم مقام کر رکھا ہے اسی لئے میں روزانہ پر بھی کام کرتا ہوں ہفتہ وار پر بھی اور ماہانہ سالانہ کے اعتبار سے بھی۔

تفہیم | تفہیم کا یہ مطلب ہے کہ ہر آیت سے اس کے لائق مضمون نکالا جائے اس لئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے افعال اور صفات کا ذکر ہے انبیاء کے احوال ہیں۔ مکذبین کے واقعات ہیں اور اس امر کا بھی بیان ہے کہ وہ کس طرح ہلاک کردیئے گئے۔ نیز خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا ذکر ہے اور جنت و دوزخ کا بیان ہے۔ صفات کی آیتیں یہ ہیں۔ مثلاً ارشاد ہے لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر، اس جیسا کوئی نہیں وہ سنتا اور دیکھتا ہے اور فرمایا الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر۔ وہ بادشاہ ہے پاک ذات ہے ہر عیب سے مبرا ہے۔ امن دیتا ہے پناہ میں لیتا ہے زبردست ہے۔ دباؤ والا ہے (اور) بڑائی کا مالک ہے۔ پس ان اسماء اور صفات کے معنوں میں تامل کرنا چاہیئے تاکہ ان کے اسرار واضح ہوں۔ کیونکہ ہر ایک کے اندر معانی کا خزانہ دفن ہے۔ جو بجز توفیق یافتہ اشخاص کے اور کسی کو معلوم نہیں ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے کوئی بات پوشیدہ مجھ کو ایسی نہیں بتائی کہ اس کو دوسروں سے چھپا رکھا ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی کتاب کی سمجھ عنایت کردیتا ہے۔ پس اس فہم کی طلب کا حریص ہونا چاہیئے۔ جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اوّلین و آخرین کے علم کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ قرآن مجید کے علم کی بحث میں مشغول ہو۔ اور علوم قرآن میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات رہیں۔ اکثر لوگوں کو ان میں سے وہی باتیں معلوم ہوتے ہیں جو ان کے فہم کے لائق ہیں مگر ان کی انتہا کو

پہچاننا محال ہے۔

صفات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔ جیسے آسمان وزمین وغیرہ کا پیدا کرنا، مارنا اور جلانا وغیرہ تو تلاوت کرنے والے کو چاہئیے کہ ان افعال سے خدائے تعالیٰ کے اسما اور صفات کا خیال کرے۔ اس لیے کہ فعل اپنے فاعل پر دلالت کیا کرتا ہے اور فعل کی عظمت سے اُس کے فاعل کی عظمت معلوم ہوتی ہے تو لازم ہے کہ فعل ہی میں فاعل کا مشاہدہ کیا جائے۔ صرف فعل کا ہی لحاظ نہ رکھا جائے کیونکہ جو کوئی حق کو پہچانتا ہے وہ اُس کو ہر چیز میں دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز اُسی سے ہے۔ اسی کی ذات سے قائم ہے۔ اور اسی کی مِلک ہے تو واقعے میں ہمہ اوست کا سا مضمون ہے۔ اور جو شخص اپنی دیکھی ہوئی چیز میں اُس کو نہیں دیکھتا اُس نے گویا پہچانا ہی نہیں اور جس نے اُس کو پہچان لیا ہے اس نے یہ بھی جان لیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور بجز اُس کی ذات کے ہر ایک چیز فانی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ثانی الحال باطل ہو جائے گی بلکہ اگر اُس کے وجود کو اُس کی ذات کے اعتبار سے دیکھیں تو بالفعل باطل ہے۔ ہاں اگر اُس کے وجود کو اس لحاظ سے دیکھیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کے باعث اور اُس کی قدرت کے جہت سے موجود ہے۔ تب البتہ اُس کو تبعیت کے طور پر ثبات ہوگا اور مستقل ہو کر تو صرف باطل ہے۔ یہی چیز ہے جو علم مکاشفہ کا آغاز ہے۔ اور اسی وجہ سے تلاوت کرنے والے کو لازم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھے افرأیتم ما تحرثون۔ افرأیتم ما تمنون۔ افرأیتم الماء الذی تشربون۔ افرأیتم النار التی تورون۔ بھلا دیکھو جو بوتے ہو بھلا دیکھو جو پانی ٹپکاتے ہو بھلا دیکھو جو پانی تم پیتے ہو بھلا دیکھو تو آگ جو سلگاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے

اس ارشاد کے موافق اپنی نظر کو آگ، پانی، کھیتی تک محدود نہ کرے بلکہ ان میں سے ہر ایک کا حال سوچے۔ مثلاً منی میں تامل کرے کہ وہ نطفہ ایک ہی اجزا کا تھا پھر اس سے ہڈیاں، گوشت، رگیں اور پٹھے کیسے بنے اور سر، ہاتھ، پاؤں، جگر، دل وغیرہ مختلف شکلوں کے اعضا کس طرح ہو گئے۔ پھر اس میں عمدہ صفات دیکھنے سننے وغیرہ کے کیونکر ظاہر ہوئے۔ نیز بری صفات مثل غضب، شہوت، کفر، جہالت، انبیائے مرسلین کی تکذیب اور ان سے جدال کرنا کیونکر پیدا ہوئے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین ۔ کیا انسان اس بات کو نہیں دیکھتا کہ ہم نے اس کو ایک بوند پانی سے بنایا پھر وہ جھگڑنے والا ہو گیا۔ تو یہ عجائبات ہیں ان میں تامل کرنا چاہیے۔ پھر ان سے ایک عجیب العجائب کی طرف ترقی کر جانا چاہیے۔ یہ وہ صفات ہیں جن سے یہ عجائب صادر ہوتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ فعل کو دیکھ کر فاعل کی طرف نظر کرنی چاہیے۔ انبیاء کے جھٹلائے جانے اور ان کے ایذا دیئے جانے اور ان میں سے بعض کے جان سے مارے جانے کا حال دیکھ کر خدائے تعالیٰ کی بے پروائی کو سمجھنا چاہیے کہ اس کو نہ رسولوں کی حاجت ہے اور نہ ان کی جن کے پاس رسولوں کو بھیجا ہے اگر وہ سب کو ہلاک کر دے جب بھی اس کی سلطنت پر کچھ اثر نہ ہوگا اسی طرح ان انبیائے مرسلین کی جب امداد کا حال معلوم کرے تو یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور حق کی مدد کیا کرتا ہے اور مکذبین مثلاً عاد و ثمود کا حال جب سنے کہ ان پر کیا گزرا تو اس سے خدائے تعالیٰ کی سطوت اور انتقام سے ڈرے اور اپنے نفس کے بارے میں ان حالات سے عبرت اندوز ہو کہ اگر میں غافل رہوں گا اور بے ادبی کرونگا اور اس مہلت چند روزہ پر بھولوں گا تو کیا عجب ہے کہ مجھ پر بھی ایسا ہی

عذاب ہو اور وہی حکم نفاذ پائے اور ایسا ہی اُس وقت بھی سوچنا چاہیے۔ جبکہ جنت اور دوزخ کے اوصاف معلوم ہوں یا ان کے علاوہ قرآن مجید کے اندر کی کوئی اور بات سُننے میں آئے جن کا بالاستیعاب بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ کوئی تر اور خشک ایسا نہیں جو اس روشن کتاب میں نہ ہو۔ اور ایک جگہ اور ہے۔ قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا۔ تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو کہ میرے رب کی باتیں لکھی جائیں تو بیشک دریا تمام ہو جائیں۔ اور ابھی نہ تمام ہوں میرے رب کی باتیں اور اگرچہ بھی لائیں ہم ویسا ہی دریا اس کی مدد کو۔ اس کی انتہا نہ ہونے کی جہت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں چاہوں تو الحمد کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں۔

جو شخص قرآن مجید کے مضامین میں ادنیٰ درجہ کی سمجھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ اُن لوگوں میں داخل ہوگا۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ومنھم من یستمع الیک حتی اذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال انفا اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم اور بعض ان میں سے ہیں جو تیری طرف کان رکھتے ہیں یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے نکلتے ہیں تو اُن سے جنکو علم ملا ہے اُن سے کہتے ہیں کہ کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی۔ یہ وہی ہیں جن کے دل پر اللہ نے مُہر کر دی ہے اور پھر وہ موانع ہیں جن کو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ آدمی اُس وقت تک مرید نہیں ہوتا جب تک کہ جس چیز کو چاہے قرآن میں نہ پالے اور نقصان کو فائدہ سے ممیز نہ کرے اور ہونے کے سبب بندوں سے

سے بے پروانہ ہو جائے۔

فہم کے موانع سے یکسو ہونا

اکثر لوگ جو قرآن کے معنی سمجھنے سے باز رہے اس کا سبب یہی ہے کہ شیطان نے ان کے دلوں پر اسباب اور حجاب ایسے ڈال دیئے ہیں کہ قرآن کے عجائب اُن کو نہیں سوجھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لولا ان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی آدم لنظروا الی الملکوت۔ اگر شیاطین اولاد آدم کے دلوں پر گھومتے نہ ہوتے تو آدمی ملکوت کا مشاہدہ کرتے۔ اور معنی قرآن کے ملکوت میں بھی داخل ہیں اور جو چیز حواس سے غائب ہے اور بغیر نور عقل کے معلوم نہیں ہوتی وہ ملکوت میں سے ہے اور قرآن کے معانی ایسے ہی ہیں۔

سمجھنے کے حجابات چار ہیں۔ ہمت اس بات کی طرف مصروف ہو کہ حروف کو مخرج سے نکالنا چاہیئے اور اس بات کا متولی ایک شیطان ہے جو قاریوں پر معین ہے اس لئے کہ ان کو معانی قرآن کے سمجھنے سے اور طرف پھیر دے تو وہ قاریوں کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ حروف کو مکرر سہ کرر ادا کریں۔ اور ان کے خیال میں بسا دیتا ہے کہ یہ حروف اپنے مخرج سے نہیں نکلا تو جس صورت میں قاری کا تامل صرف حروف کے مخارج ہی پر منحصر ہو تو اس کو قرآن کے معانی کہاں واضح ہوں گے۔ اور جو شخص شیطان کے اس دھوکے میں آتا ہے وہ اس کا بڑا ہی مسخرہ بن جاتا ہے۔

(۲) کسی مذہب کا سنا سنایا مقلد ہو گیا ہو اور اس کی تعریف کرتا ہو اور اس کے دل میں اس کی پیچ صرف سنی ہوئی بات کے اتباع سے جم گئی ہو یہ نہیں کہ بصیرت اور مشاہدے سے دیکھ کر اس کی پیچ کرتا ہو ایسے شخص کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے اعتقاد کی زنجیر میں مقید رہتا ہے وہ اس کو ٹلنے نہیں دیتی۔ اس لیے اس کے دل میں

بجز اس کے اعتقاد کے اور چیز خطور نہیں کرتی اُس کی نظر صرف اپنی سنی ہوئی بات پر موقوف ہوتی ہے اور اگر کوئی چمک دور سے نظر آجاتی ہے اور کچھ معنی اس کے اعتقاد کے خلاف ظاہر ہوتے ہیں تو شیطانِ تقلید اس پر حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بات تیرے دل میں کیسے گذری یہ تو تیرے اکابر کے عقیدوں کے خلاف ہے پس وہ شخص اِن معنوں کو شیطانی فریب بیان کر اس سے [illegible] کرتا ہے اور اس جیسے معانی سے احتراز کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے [illegible] فرماتے ہیں کہ [illegible] اور علم سے ان کو مقصود اُن معائد کا علم [illegible] اکثر لوگ صرف تقلید کی جہت سے چلے جاتے ہیں یا مذہب کے متعصبوں کے کہنے [illegible] معنی بنا دیتے ہیں اور علم حقیقی جس سے کشف اور نور بصیرت [illegible] حاصل ہو سکتا ہے بہتوں سے محجوب [illegible] اور تقلید [illegible] ہے۔ اور اس صورت میں مانع فہم ہے جیسے کوئی [illegible] پر مشغول ہو [illegible] بچپن کا پڑھا اور ٹھہرا اعتقاد کرے پس اگر صفت قدوسیت [illegible] اس کے دل میں [illegible] کہ حقیقی باتیں خلق پر ہو سکتی ہیں [illegible] تقلید اس بات کو سمجھنے نہ دیگی اور اگر بالفرض سمجھ جاتا [illegible] کشف اور تیسرا اور چوتھا ہونا چلا جاوے گا۔ مگر معتقد اس امر کو اپنے دل سے [illegible] تقلید باطل کے جلد دور کر دیتا ہے۔

اور بعض اوقات تقلید حق ہوتی ہے اور وہ بھی فہم اور کشف کی مانع ہوتی ہے اس لئے کہ جس میں حق کے اعتقاد کرنے کا خلق کو حکم ہوا ہے اس کے بہت سے مراتب اور درجے ہیں اور اس کا ایک مبدا ظاہری ہوتا ہے اور ایک منتہا باطنی اور جب طبیعت ظاہر پر

جم جاتی ہے تو باطن کو تہ تک پہنچنے کی مانع ہوا کرتی ہے۔

تیسرا حجاب یہ ہے کہ کسی گناہ پر مصر ہو یا کبر کے ساتھ موصوف یا دنیا کی خواہش میں کچھ مبتلا ہو کہ یہ چیزیں دل کی تاریکی اور زنگ کی موجب ہوتی ہیں اور ان کا حال ایسا ہے جیسے آئینہ پر زنگ لگ جاتا ہے اور پھر ٹھیک ٹھیک عکس اس میں نہیں پڑتا۔ اسی طرح دل پر اگر یہ چیزیں رہتی ہیں تو امرِ حق کی تجلی اس میں صاف نہیں ہوتی اور یہ حجاب دل کے لئے سب میں بڑا ہے اور اسی سے اکثر لوگ محجوب ہو گئے اور جس قدر کہ شہوات کا انبوہ دل پر زیادہ ہوگا اسی قدر معانی قرآن پر زیادہ حجاب اسی کی طرف سے ہوگا۔ اور جس قدر دنیا کا بوجھ دل پر ہلکا ہوگا اسی قدر معانی کی تجلی نزدیک آجائیگی۔ اس لئے کہ دل مثل آئینہ کے ہے اور شہوات مثل زنگ کے اور معانی قرآن مثل ان صورتوں کے ہیں جن کا عکس آئینہ میں پڑتا ہے۔ اور دل سے یہ صفت یعنی شہوت کو دور کرنا ایسا ہے جیسے صیقل گر آئینہ کو جلا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میری امت درہم و دینار کو بڑا جاننے لگی تو ان میں سے اسلام کی ہیبت جاتی رہے گی اور جب اچھی بات کا امر کرنا اور بری بات سے منع کرنا چھوڑ دیں گے تو وحی کی برکت سے محروم رہیں گے۔ حضرت فضیل رح فرماتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ علم قرآن سے محروم رہیں گے۔

انابت یعنی اللہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ارشادِ باری ہے۔ تبصرۃ وذکری لکل عبد منیب۔ "اس بندہ کے سمجھانے اور یاد دلانے کے لیے جو رجوع رہتا ہو۔ وما یتذکر الا من ینیب انما یتذکر اولوا الالباب۔ اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہو۔ وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے"۔ تو جو کوئی دنیا کے

دھوکے کو آخرت کی نعمت پر اختیار کرے وہ صاحبانِ عقل سے نہیں ہے اور اسی لئے اُس پر اسرارِ قرآنی منکشف نہیں ہوتے۔

چوتھا حجاب یہ ہے کہ کوئی تفسیر بظاہر پڑھ لی ہو اور یہ اعتقاد کر لیا ہو کہ جو کچھ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ نے کلماتِ قرآن کی تفسیر بیان کی ہے وہی درست ہے اُن کے بیان کے سوا کلمات کے اور کچھ معنیٰ نہیں جو ان کے سوا معنے لکھے وہ قرآن کو اپنی عقل سے بیان کرتا ہے جس کی شان میں یہ وارد ہے کہ جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ سے تلاش کرے تو یہ بھی اک حجاب ہے۔

خاص کرنا اور اس کی صورت یہ ہے کہ قرآن میں کے ہر خطاب میں فرض کرے کہ میں ہی مقصود ہوں یعنی اگر امر و نہی سُنے تو فرض کرے کہ حکم مجھ کو ہوا ہے اور مجھی کو منع کیا گیا ہے اور اسی طرح اگر وعدہ وعید سُنے تو ان کو بھی اپنے حق میں فرض کرے اور اگر پہلے لوگوں اور انبیاء کے قصّے سُنے تو جانے کہ قصّے مقصود نہیں بلکہ ان سے عبرت حاصل کرنی منظور ہے اور یہ غرض ہے کہ ان کے درمیان میں جو کچھ اپنی حاجت کی بات ہو اس کو اختیار کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن مجید کے جتنے قصّے ہیں ان کے مضامین سے کچھ نہ کچھ فائدہ آنحضرت صلعم اور ان کی امت کے حق میں ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ما نثبت بہ فوادک "جس سے ثابت کریں تیرا دل" تو تلاوت کرنے والے کو یہ فرض کر لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جو نبیوں کا حال اور ایذا پر ان کا صبر کرنا اور خدائے تعالیٰ کی مدد کے انتظار میں دین پر جمے رہنا فرماتا ہے اس سے ہمارے دل کا ثابت رکھنا مقصود ہے اور اس فرض کرنے اور تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید خاص آنحضرت صلعم ہی کے لئے نہیں اُترا بلکہ وہ تمام عالموں کے لئے شفا

ہدایت، نور، اور رحمت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نعمتِ کتاب کا شکر ادا کرنے کو فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتٰب والحکمۃ یعظکم بہ۔ اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور وہ جو اُتاری تم پر کتاب اور کام کی باتیں کہ تم کو سمجھاوے۔ اور فرمایا ولقد انزلنا الیکم کتٰبا فیہ ذکرکم افلا تعقلون ہم نے تمہارے لئے کتاب اتاری ہے اس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم کو بوجھ نہیں" اور فرمایا وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما انزل الیہم" اور تجھ کو اُتاری ہم نے یہ یرداشت کہ تو کھول لوگوں کے پاس جو اُترا اُن کی طرف"۔ اور فرمایا کذٰلک یضرب اللہ للناس امثالہم یوں بتاتا ہے اللہ لوگوں کو اُن کے احوال"۔ اور فرمایا واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم" اسی افضل بات پر چلو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر اُتری"۔ اور فرمایا ھٰذا بصائر للناس ھدی ورحمۃ لقوم یوقنون تمہارے رب کی طرف سے یہ سوجھ اور ہدایت کی باتیں ہیں اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لئے جو یقین لائے ہیں" اور فرمایا ھٰذا بیان للناس وھدی وموعظۃ للمتقین "یہ لوگوں کے واسطے بیان ہے اور ڈر والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت" اور جب کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ خطاب سے سب لوگ مقصود ہیں اور قاری بھی انہیں میں سے ہے تو بیشک خطاب میں شریک ہوگا اس لئے اس کو فرض کرنا چاہیئے کہ اس خطاب سے میں مقصود ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واوحی الیّ ھٰذا القراٰن لانذرکم ومن بلغ "اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اُترا ہے کہ تم کو اس سے خبردار کروں اور انھیں بھی جس کو یہ پہنچے"۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں

کہ جس شخص کو قرآن پہنچا تو گویا خدائے تعالیٰ نے اس سے کلام کیا اور تلاوت کرنے والا جب اپنے آپ کو مخاطب سمجھے تو اپنا عمل صرف سرسری پڑھ لینا مقرر نہ کرے بلکہ اس کو اس طرح پڑھے جیسے غلام اپنے آقا کا فرمان پڑھتا ہے جس میں اس میں لکھا ہو کہ آپ کی سوچ سمجھ کر اس کے بموجب کاربند ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن ہمارے رب کی طرف سے خطوط عہد و پیمان کے ساتھ آیا ہے۔ اس کو نمازوں میں ہم سمجھیں اور تنہائیوں میں ان سے واقفیت حاصل کریں اور طاعت میں ان کی تعمیل کریں اور حضرت مالک بن دینار کہا کرتے کہ اے قرآن والو قرآن نے تمہارے دلوں میں کیا بویا ہے۔ قرآن مومن کے حق میں بہار ہے جیسے زمین کے حق میں مینہ بہار ہوتا ہے۔ قتادہؒ نے فرمایا ہے جس نے قرآن کی ہمنشینی کی تو زیادتی یا کمی لیکر اٹھا یا کمی نے میرا کہ هو شفاء و رحمة للمومنین ولا یزید الظالمین الا خسارا وہ ایمان والوں کے لئے شفا و رحمت ہے اور گنہگاروں کے نقصان کو بڑھاتا ہے۔

متاثر ہونا | یعنی جس طرح آیتیں مختلف مضامین کی آتی جائیں اس طرح دل میں مختلف آثار پیدا ہوتے جائیں اور جس مضمون کو حزن اور خوف و رجا کا سمجھے اسی حالت اور کیفیت سے دل موصوف ہو جائے۔ اور جبکہ آدمی کی معرفت کامل ہوگی تو اس کے دل پر اکثر خوف غالب رہیگا۔ مثلاً ان رحمة الله قريب من المحسنين۔ رحمت کے لئے احسان کی شرط لگادی ہے۔ کہ وہ سب کی جامع ہے اسی طرح اگر کوئی قرآن کو اول سے آخر تک پڑھے تو ایسے ہی مضامین کثرت سے پائیگا اور جو شخص اس بات کو سمجھ لیگا اس کو شایاں یہی ہے کہ اس کا حال خوف و حزن ہو۔ بندے کا تلاوت کرنا یہ ہے کہ تو آیت

تلاوت کرے اس کی صفت سے موصوف ہوجائے مثلاً آیت وعید پر اور جہاں کہ مغفرت
کو شرائط سے وابستہ کیا ہے وہاں خوف سے اتنا گھلے کہ مرجاوے گا۔ اور وسعتِ
رحمت اور وعدۂ رحمت پر اتنا خوش ہو کہ اڑ جائے گا۔ اور خدائے تعالیٰ کے صفات
اور اسماء کے ذکر کے وقت اپنی گردن اس کے جلال کے سامنے خضوع کرے اور اس کی
عظمت کو معلوم کرنے کی جہت سے جھکادے اور جب کافروں کا ذکر آئے اور ان کے
وہ قول پڑھے جو اللہ پر محال ہے مثلاً ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ اور
بیوی رکھتا ہے تو اپنی آواز پست کردے اور ان کی گفتگو کی قباحت سے دل میں شرمندہ
ہو کر شرمندہ ہو اور جنت کی صفت کے وقت باطن میں اس کا شوق ابھرے اور دوزخ کا
حال مذکور ہونے پر خوف کے مارے اس کا دل تھرا اٹھے اور جبکہ آنحضرت صلعم نے
حضرت ابن مسعود کو [illegible] فرمایا کہ قرآن مجھ کو سناؤ تو حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے
سورۂ نساء شروع کی جب اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید
وجئنا بک علی ہولاء شہیدا یعنی پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے
بلائیں گے احوال کہنے والا اور بلائیں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا۔
تو دیکھا کہ آنحضرت صلعم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں آپ نے فرمایا کہ اب بس کرو اور
یہ اس لئے فرمایا کہ اس حالت کے مشاہدہ میں آپ کا دل بالکل مستغرق ہوا اور خوف کرنے والوں
میں بعض اس طرح کے تھے کہ وعید کی آیت پر بیہوش ہو کر گر جاتے تھے اور بعض ایسے
بھی گذرے ہیں کہ آیتوں کے سننے میں انتقال کر گئے ہیں۔

بہر حال اس طرح کے احوال سے تلاوت کرنے والا صرف نقال نہیں رہتا مثلاً
جب کہے انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم یعنی اگر میں

اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اور دل میں خوف نہ ہو تو یہ پڑھنا صرف کلام کا نقل کرنا ہوا اور جب پڑھے علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر۔ اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا۔ اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف ہے پھرنا۔ اور توکل و انابت کی حالت نہ ہو تو یہ کہنا زبانی حکایت کا ہوگا اور جب پڑھے ولنصبرن علی ما اذیتمونا یعنی ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم ہمکو دیتے ہو تو چاہیئے اس کا حال صبر خواہ عزیمت ہو تاکہ اس آیت کے پڑھنے کی کیفیت و حلاوت پائے اور اگر ان صفات سے موصوف نہ ہوگا اور ان حالات میں اس کا دل بدلتا نہ رہیگا تو تلاوت سے اس کو صرف زبان کی حرکت کا فائدہ ہوگا اور اپنے نفس کو لعنت کریگا الا لعنۃ اللہ علی الظالمین یعنی سن لو کہ بے انصافوں پر اللہ کی لعنت ہے اور کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون یعنی اس بات سے اللہ بہت بیزار ہے کہ وہ بات کہو جو نہ کرو۔ اور وھم فی غفلۃ معرضون یعنی اور وہ بے خبر ٹلاتے ہیں۔ اور فاعرض عن من تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا یعنی سو تو دھیان نہ کر اس پر جو ہماری یاد سے منہ موڑے۔ اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کی زندگی۔ اور ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون یعنی اور جو توبہ نہ کریں وہی بے انصاف ہیں۔ اور سوائے ان کے اور اسی طرح کی آیتوں کے پڑھنے سے اپنے آپ کو طعن کریگا۔ اور اس آیت کا مصداق بنے گا۔ ومنھم امیون لا یعلمون الکتب الا امانی یعنی ان میں ایک بڑے بے پڑھے ہیں جو خبر نہیں رکھتے کتاب کی مگر باندھ لیں اپنی آرزوئیں۔ یعنی صرف تلاوت ہی جانتے ہیں اور اس آیت کے معنوں میں داخل ہوگا۔ وکاین من ایۃ فی السموت والارض

یمرون علیها وھم علیھا معرضون۔ یعنی اور آسمان وزمین میں بہتری نشانیاں ہیں۔ جن پہ سے گذرتے ہیں اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ان علامتوں کا بیان اچھی طرح قرآن مجید میں ہے اور جب پڑھنے والا اُن سے گذر جاوے اور متاثر نہ ہو تو اُن سے روگرداں ہوگا۔ اسی وجہ سے کسی نے کہا ہے کہ جو شخص اخلاق قرآنی سے متصف نہیں ہوتا وہ جس وقت کلام اللہ شریف پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو پکار کرتا ہے کہ تجھ کو میرے کلام سے کیا علاقہ۔ تو تو مجھ سے روگرداں ہے اگر تو میری طرف رجوع نہیں کرتا تو میرے کلام کو مت پڑھ۔ اور گنہگار آدمی جو قرآن کو مکرر پڑھتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہی پروانہ کو دن بھر میں کئی مرتبہ پڑھ لیا کرے۔ اور اُس میں حکم ہو کہ ہمارے ملک کو آباد کرو مگر وہ اس کے اجاڑنے میں مشغول ہو اور اس کے پروانہ کو صرف پڑھ لینے پر اکتفا کرے۔ اور تعمیل اُلٹی کرے۔ پس اگر وہ پروانہ پڑھتا اور حکم کے خلاف کرتا تو اُس میں بادشاہی پروانہ کی حقارت اور غضب سلطانی کا استحقاق غالباً کم ہوتا اور اس صورت میں تو ظاہر ہے کہ اس کی حرکت نہایت نازیبا ہے اور اسی وجہ سے یوسف بن اسباط نے فرمایا ہے کہ میں قرآن کے پڑھنے کا قصد کرتا ہوں مگر جب اُس کے مضامین یاد کرتا ہوں۔ تو غضب الٰہی سے ڈر جاتا ہوں اور قرآن کی تلاوت کو چھوڑ کر تسبیح اور استغفار پڑھنے لگتا ہوں۔ اور جو شخص کہ قرآن پر عمل کرنے سے اعراض کرتا ہے وہ اس آیت کے مطابق ہے۔ فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون یعنی پھر پس پشت ڈال دیا اس کو اور خرید کیا اس کے بدلے مول تھوڑا سو کیا بری خرید کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قرآن کو اس وقت تک پڑھو کہ تمھارے دل الوف رہیں اور جلدیں نرم ہوں اور

جب یہ حالت رہے تو پڑھنا موقوف کرو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اُس کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہو۔ ارشاد باری ہے الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم و اذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا وعلیٰ ربھم یتوکلون یعنی ایسے لوگ کہ جب نام آجائے اللہ کا ڈر جائیں ان کے دل اور جب اُن پر اس کا کلام پڑھا جاتے تو اُن کے ایمان میں زیادتی ہوجاے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ لوگوں میں قرآن کا خوش آواز وہ ہے کہ جب اُس کو پڑھتے ہوئے سنو تو جان لو کہ خدائے تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ قرآن کسی کے منھ سے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ جیسا اس شخص کے منھ سے جو خدائے تعالیٰ سے ڈرتا ہے پس قرآن اسی غرض سے پڑھا کرتے ہیں کہ دل پر یہ احوال کچھ آویں اور اس کے بموجب عمل کیا جاوے ورنہ صرف الفاظ پر زبان ہلانے میں کیا محنت ہے اور اسی واسطے بعض قاری کہتے ہیں کہ میں۔ نے اپنے استاد کو قرآن سنایا پھر میں دوبارہ اُن کی خدمت میں گیا کہ دوبارہ سناؤں تو انھوں نے مجھ کو جھڑک دیا اور فرمایا کہ میرے سامنے پڑھنے کو تو نے عمل ٹھہرالیا ہے۔ جا خدا کے سامنے پڑھ اور دیکھ کہ تجھ کو کیا حکم کرتا ہے اور کیا سمجھاتا ہے۔

اسی سبب سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا شغل احوال اور اعمال میں ہوتا تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف جب ہوئی ہے اُس وقت بیس ہزار صحابہ کرام آپ نے چھوڑے مگر اُن میں سے پورا قرآن صرف چھ شخصوں نے یاد کیا تھا اور ان چھ میں سے بھی دو میں اختلاف ہے۔

اکثر صحابہ ایک یا دو سورت یاد کیا کرتے تھے مگر اس پر عمل کرتے تھے جو شخص کہ سورۂ بقرہ اور انعام یاد کر لیتا تھا وہ ان میں عالم ہوتا تھا۔ اور جب ایک شخص قرآن سیکھنے

گیا اور اس آیت پر پہنچا۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ یعنی سو جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی (وہ بھی) دیکھ لیگا۔ تو کہا کہ مجھے یہ کافی ہے اور چلا گیا۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اس حال میں پھرا کہ فقیہ ہے دراصل مجذوب اور کامیاب وہی حالت ہے جو اللہ تعالیٰ ایماندار کے دل پر آیت سمجھنے کے بعد مرحمت فرماتا ہے۔

صرف زبان کی حرکت مفید نہیں جو شخص زبان سے تلاوت کرے اور عمل سے روگرداں رہے وہ اس بات کا سزاوار ہے کہ اس آیت کا مصداق ہو۔ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیمۃ اعمی قال رب لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا۔ قال کذلک اتتک ایتنا فنسیتھا وکذلک الیوم تنسی۔ یعنی جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اس کو تنگی کی گذران ملتی ہے اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا لائیں گے وہ کہے گا کہ اے رب کیوں اٹھایا تو نے مجھ کو اندھا اور تھا میں دیکھتا۔ فرمایا کیا نہیں پہنچی تھیں تجھ کو میری آیتیں پھر تو نے اس کو بھلا دیا اسی طرح آج ہم تجھ کو بھلا دینگے ہماری آیتوں کو تو نے ویسا ہی چھوڑ دیا۔ ان میں تامل نہ کیا اور نہ ان کی کچھ پروا کی۔ کیونکہ جو شخص کسی کام میں تقصیر کرتا ہے اس کو کہا کرتے ہیں کہ وہ اس کو بھول گیا۔

تلاوت صحیح یہ ہے کہ اس میں زبان۔ دل۔ اور عقل شریک ہوں۔ زبان کا کام حروف کو صحیح کرنا ٹھہر کر سنوار کر پڑھنا ہے۔ عقل کا کام معانی کا بیان کرنا اور دل کا کام حکم ماننے اور عبرت قبول کرنے سے متاثر ہونا ہے تو گویا زبان واعظ ہے اور عقل مترجم اور دل نصیحت قبول کرنے والا۔

تلاوت میں ترقی | تلاوت میں ترقی یہ ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ سے سنے نہ اپنے سے کیونکہ پڑھنے کے تین درجے ہیں۔ سب میں ادنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے کو فرض کرے کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوا تلاوت کر رہا ہے۔ اور وہ میری طرف دیکھتا ہے اور میرے پڑھنے کو سنتا ہے تو اس صورت میں اس کی حالت سوال اور تملق و انکسار کی ہوگی۔ اور عاجزی پائی جائے گی۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اپنے دل سے مشاہدہ کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے اور اپنے الطاف سے اس کو خطاب کرتا ہے اور اپنے انعام و احسان سے اس سے اپنا بھید کہتا ہے۔ ایسی صورت میں تلاوت کرنے والے کا مقام حیا، تعظیم، سننا اور سمجھنا ہوگا۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ کلام میں متکلم کو دیکھے اور کلمات میں صفات پر نظر کرے یعنی نہ اپنے نفس کو دیکھے اور نہ اپنی قرأت پر لحاظ کرے۔ اور نہ اپنے منعم علیہ ہونے کے اعتبار سے اپنے اوپر انعام کے متعلق ہونے کا دھیان کرے بلکہ اپنی ہمت اور فکر کو کلام کرنے والے پر منحصر اور موقوف کردے اس طرح کہ گویا متکلم کے مشاہدہ میں غیر کی طرف سے کچھ خبر نہیں یہ درجہ مقربین کا ہے اور اس سے پیشتر کے دو درجے اصحاب الیمین کے ہیں۔ اور جو قرأت ان تینوں درجوں کے سوا ہو وہ غافلوں کا درجہ ہے۔

حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام نے درجۂ سوم کو اس طرح ارشاد فرمایا کہ بخدا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنی مخلوق کے لئے تجلی فرمائی۔ مگر لوگ اس کو نہیں دیکھتے۔ ایک بار آپ نماز میں ایسی حالت طاری ہوئی کہ بیہوش ہو کر گر پڑے جب آپ کو افاقہ ہوا تو کسی نے اس حالت کی کیفیت دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں آیت کو بار بار اپنے دل پر پڑھ رہا تھا یہاں تک کہ اس کو میں نے متکلم سے سنا پس اس کی قدرت کے معائنہ کے لئے میرا جسم

ٹھہر سکا۔ یقیناً اس درجہ کی تلاوت کی حلاوت اور لذت کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہی سبب ہے کہ بعض حکماء نے کہا ہے کہ میں قرآن پڑھا کرتا تھا مگر اس میں حلاوت نہ پاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے اس طرح پڑھا کہ گویا اُس کو آنحضرت صلعم سے سنتا ہوں کہ آپ اپنے اصحاب کو سُنا رہے ہیں۔ پھر ایک درجہ اور اوپر بڑھا۔ اور اس طرح پڑھا کہ گویا حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم کرتے ہیں اور میں سُن رہا ہوں پھر اللہ تعالےٰ نے ایک اور مرتبہ عنایت فرمایا۔ کہ اب میں اُس کو خود اُسی سے سُنتا ہوں اور مجھ کو وہ حظ اور حلاوت نصیب ہے کہ مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔

حضرت عثمانؓ اور حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اگر دل پاک ہو تو قرآن کی قرأت سے کبھی سیری نہ ہو یہ بالکل صحیح ہے کہ دل کی طہارت کی وجہ سے کلام میں متکلم کے مشاہدہ کی طرف ترقی ہوتی ہے۔ اور اگر آدمی متکلم ہی کا مشاہدہ کرنے والا ہوا اور اس کے سوا پر نظر نہ ڈالے تو ان ارشادات کی یقیناً تعمیل کرنے والا ہوگا۔ ففروا الی اللہ۔ یعنی سو بھاگو اللہ کی طرف۔ اور ولا تجعلوا مع اللہ الٰھا اٰخر یعنی اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ۔ میں یہی رمز ہے۔

اپنی قوت و طاقت سے انقطاع | یعنی اپنے نفس پر بچشم رضا اور تزکیہ التفات کرنے سے قطع نظر رکھے۔ مثلاً جب ... مین کے لئے وعدہ اور تعریف کی آیتیں پڑھے تو اُس وقت اپنے آپ کو اُن میں نہ سمجھے۔ بلکہ اہل یقین اور صدیقین کے لئے ان مدائح کا خیال کرے اور اس بات کا شائق ہو کہ اللہ تعالےٰ انہیں پاک نفوس میں مجھ کو بھی شامل کرے اور جب غصہ اور خفگی کی آیت گناہگاروں اور تقصیر والوں کی بُرائی پڑھے تو اُس میں اپنے نفس کا مشاہدہ کرے اور یہ بھی فرض کرے کہ یہ خطاب

میرے ہی نفس کو ہے تاکہ خوف پیدا ہو۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی میں تجھ سے اپنے ظلم و کفر سے مغفرت چاہتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا ظلم تو معلوم ہے لیکن کفر سے آپ کیسی مغفرت چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان الانسان لظلوم کفار، یعنی بیشک آدمی بڑا بے انصاف، ناشکر ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اسی کفر سے مغفرت چاہتا ہوں جس کا ثبوت اس آیت میں ہے یوسف بن اسباط سے کسی نے پوچھا کہ جب تم قرآن پڑھتے ہو تو کیا دعا مانگتے ہو۔ فرمایا کہ دعا کیا مانگوں اپنی تقصیر کی مغفرت ستر بار چاہتا ہوں۔ پس جس صورت میں کہ قرأت میں اپنے نفس کو تقصیر کی صورت میں دیکھے گا تو یہ دیکھنا اس کے قرب کا موجب ہوگا۔ اس لئے کہ جو شخص قرب میں دوری کا معاینہ کرتا ہے اس کے لئے خوف رحمت ہوتا ہے اور یہ خوف اس کو قرب کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے جو اول درجہ سے اعلیٰ ہو۔ اور جو شخص دوری میں قرب کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو خوف سے امن دیا جاتا ہے جو آخر کار اس کو اوپر کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ جو دوری میں اول درجے سے نیچے ہوتا ہے اور جس صورت میں اپنے نفس کو بچشم رضا دیکھے گا تو خود اس کے نفس ہی کا حجاب اس میں اور اسرار میں حائل ہو جاتا ہے اور پھر کچھ نہیں دیکھتا۔ لیکن جس صورت میں کہ اپنے نفس کی طرف التفات چھوڑ دیتا ہے اور بجز خدائے تعالیٰ کے قرأت میں اور کوئی چیز مشاہدہ نہیں کرتا تب البتہ اس کو اسرار عالم ملکوت کے واضح ہوتے ہیں۔ مکاشفات کشف والے کے احوال کے بموجب خاص ہو جایا کرتے ہیں مثلاً جب آیات رجا پڑھتا ہے اور اس کے حال پر بشارت غالب ہوتی ہے تو اس کو جنت کی صورت منکشف ہوتی ہے اور اس کو اس طرح مشاہدہ کرتا ہے گویا آنکھ سے ظاہر میں دیکھ رہا ہے اور اگر اس پر خوف غالب ہوتا ہے

تو اس پر دوزخ منکشف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے عذاب طرح طرح کے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں کلام نرم اور لطیف اور سخت اور درشت اور ملوا از رجا اور پُر از خوف سب طرح کے ہیں کیونکہ جیسے اوصاف متکلم کے ہیں ویسے ہی کلام میں مضامین ہیں۔ اور اس کے اوصاف میں سے رحمت، لطف، انتقام اور گرفت وغیرہ ہیں۔ پس یہی صفات کلمات میں بھی پائے جاتے ہیں تو جس طرح کے کلمات اور صفات کا مشاہدہ ہوگا اس طرح دل کا حال بھی بدلے گا اور اسی کے موافق ایسی بات کے منکشف ہونے کے لائق ہو جائیگا۔ جو اس کے حال کے مناسب ہو کیونکہ یہ تو محال ہے کہ سُننے والے کا حال ایک ہی رہے۔ اور کلام بدلتا جاوے اس لیئے کلام میں متکلم کے صفات کا اثر موجود ہے کوئی جز اس کا راضی کا کلام ہے اور کوئی غضب والے کا اور کوئی انعام دینے والے کا اور کوئی انتقام لینے والے کا کبھی متکبر کا جو پروا نہیں کرتا اور بعض شفقت والے مہربان کا جو بکیار نہیں چھوڑتا ہے تو ضرور ہے کہ سُننے والے کا حال بھی بدلے۔

تفسیر باطنی

شاید تم یہ کہو کہ تم نے سابق میں اسرارِ قرآن کے سمجھنے اور وہ معانی جو صافی دلوں پر واضح ہوتے ہیں۔ ان کے باب میں بڑی تاکید کی ہے۔ یہ بات کیسے مستحب ہو سکتی ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من فسر القرآن برایه فلتبوأ مقعده من النار اور اسی وجہ سے جو لوگ ظاہر تفسیر کو جانتے ہیں اس باب میں وہ اہلِ تصوف پر تشنیع کرتے ہیں کہ جن کلمات کی تاویل حضرت

عباس رضؓ وغیرہ مفسرین سے منقول نہیں وہ لوگ اپنی طرف سے تصوف کے
ر بیان کرتے ہیں۔ بلکہ علاوہ تشنیع کے اس تاویل کو کفر کہتے ہیں۔ پس اگر اہل تفسیر کا
صحیح ہو تو قرآن کے سمجھنے سے بجز اس کے کیا غرض ہے کہ اس کی تفسیر کو یاد
ینا چاہیئے اور اگر ان کا قول صحیح نہیں تو حدیث مذکورہ بالا کے کیا معنی ہیں تو اس کا
ب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے معنی وہی ہیں جس کا بیان ظاہر
یر کرتی ہے تو وہ لوگ اپنے نفس کی انتہا سے خبر دیتے ہیں۔ اپنا حال بیان
نے ہیں درست کہتے ہیں مگر اُن لوگوں کو اپنے ہی درجہ یا مقام پر لانے کا حکم کرنے پر
طی کرتے ہیں کیونکہ حدیث اور آثار سے یہ ثابت ہے کہ اہل فہم کو قرآن کی معانی میں
یائش ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی کتاب کی سمجھ اپنے
س بندے کو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے ظاہر ہے کہ اگر قرآن کے معنی سوائے
رجمہ منقول کے اور کچھ نہیں ہے تو پھر اس سمجھ سے کیا مراد ہے اور آنحضرت صلعم
نے فرمایا ہے کہ قرآن کے لئے ایک ظاہر ہے ایک باطن ایک حد ہے ایک مطلع
یہ روایت حضرت ابن مسعودؓ سے بھی موقوفاً مروی ہے۔ یہ وہ صحابی ہیں جو تفسیر
کے علماء (؟) میں سے ہیں۔ پس ظاہر اور باطن اور حد و مطلع کے کیا معنی ہیں نیز
حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو الحمد کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں
آخر اس سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ الحمد کی ظاہر تفسیر تو بہت تھوڑی ہے حضرت ابودرداؓ
نے فرمایا ہے کہ قرآن کی جب تک کئی صورتیں نہیں کر لیتا آدمی فقیہ نہیں ہوتا بعض
علماء کا قول ہے کہ ہر آیت کے لئے ساٹھ ہزار فہم یعنی معنی ہیں اور جس قدر سمجھنے
سے باقی رہ گئے ہیں وہ اور بھی زیادہ ہیں اور کسی دوسرے کا قول ہے کہ قرآن

ستتر ہزار دو سو علم پر حاوی ہے۔ اس لئے کہ ہر کلمہ کے لئے ایک علم ہے اور چونکہ ہر ایک کے لئے ظاہر اور باطن اور حد و مطلع ہے تو چوگنے ہو گئے۔ اور آنحضرت صلعم نے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بیس بار مکرر پڑھا تو اس کے معنی ہی سمجھنے کے لئے پڑھا۔ ورنہ ترجمہ اور تفسیر ظاہری ہے۔ تکرار کی کیا حاجت تھی۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کا فرمانا کہ جو کوئی اگلوں پچھلوں کا علم چاہے وہ علم قرآن کی بحث کرے یہ بھی صرف تفسیر سے حاصل نہیں ہوتا۔ حاصل یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ کے افعال و صفات میں تمام علوم داخل ہیں اور قرآن میں اس کی ذات اور افعال و صفات کا ہی بیان ہے۔ پھر ان علوم کی انتہا کا کیا ٹھکانا۔ قرآن مجید میں ان سب علوم کی طرف مجملاً اشارہ کر دیا ہے۔ اب ان کی تفسیر میں غور کرنا قرآن مجید کے سمجھنے پر منحصر ہے صرف تفسیر ظاہری سے تفصیلات کا اشارہ ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا بلکہ وہ باتیں جو ناظرین پر مشکل پڑتی ہیں یا جن نظریات و معقولات میں لوگوں کا اختلاف ہے قرآن مجید میں ان سب کی طرف رموز و اشارات ہیں جن کو بجز اہل فہم کے اور کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں ظاہر الفاظ کا ترجمہ اور تفسیر ان امور کے لئے کس طرح کافی ہوں گی اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اقرؤ القرآن و التمسوا غرائبہ یعنی قرآن کو پڑھو اور اس کے غرائب کو ڈھونڈھو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو حدیث منقول ہے اس میں ارشاد ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو نبی برحق کر کے بھیجا ہے کہ میری امت اپنے اصل و دین و جماعت کو چھوڑ کر بہتر فرقے ہو جائے گی۔ یہ کل فرقے گمراہ اور بہکانے والے ہوں گے اور دوزخ کی طرف بلائیں گے جب یہ صورت پیش ہو تو اپنے اوپر قرآن مجید کو لازم پکڑنا کہ اس میں جو تم سے پہلے ہو گیا ہے اس کا حال بھی ہے اور جو

سے بعد ہوگا اس کا بھی اللہ جو سلاطین ... میں ... ہے
بن ہے جو شخص اس کے خلاف کریگا خدا ئے تعالیٰ اس کو توڑ دیگا۔ اور جو شخص اس
کے سوا دوسری چیز میں علم کا طالب ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی
حبل متین اور اس کا نور مبین اور شفائے مفید ہے جس نے اس کو پکڑا وہ محفوظ رہا۔
جو اس کا تابع ہوا اس کو نجات ملی۔ نہ وہ ٹیڑھا ہو کہ درستگی کی ضرورت ہو اور نہ مائل ہو
کہ راستے کی حاجت پڑے اس کے عجائب کبھی منقطع نہیں ہونے اور نہ زیادہ پڑھنے
سے پرانا ہوتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی حدیث میں ہے کہ جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنی وفات کے بعد اپنی امت کے اختلاف اور متفرق ہونے کی خبر دی تو وہ فرماتے ہیں
کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم اگر میں اس وقت کو پاؤں تو آپ
مجھ کو کیا حکم فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ کلام اللہ کو سیکھنا اور اس کے بموجب عمل کرنا کہ
نجات کی صورت وہی ہے میں نے تین بار یہی سوال کیا اور ہر بار آپ نے یہی فرمایا۔ کہ
کتاب اللہ کو سیکھنا اور جو کچھ ہے اس پر عمل کرنا نجات اسی میں ہے اور حضرت علیؓ نے
فرمایا کہ جو شخص قرآن کو سمجھ جاتا ہے وہ جملہ علوم کو بیان کر دیتا ہے اس سے آپ نے
اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن مجید تمام علوم کلی کی طرف اشارا کرتا ہے اور حضرت
ابن عباسؓ نے وَمَن يُؤتَ الحِكمَةَ فَقَد اُوتِيَ خَيرًا كَثِيرًا یعنی جس کو
سمجھ ملی اُس کو بہت خوبی ملی کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کی سمجھ ہے
ارشاد باری ہے۔ فَفَهَّمنَاهَا سُلَيمَانَ وَكُلًّا آتَينَا حُكمًا وَّعِلمًا۔ یعنی پھر سمجھا دیا
ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور ہم نے دونوں کو حکم اور سمجھ دی تھی۔ اس آیت میں جو چیز
حضرت داؤد اور سلیمان علیہم السلام دونوں کو عنایت کی اس کا نام علم و حکم رکھا جس بات کو

عباس حضرت بیان سے چھپا اس کا نام بھی فرمایا۔ اور اس کو علم اور علم پر مقدم لیا۔ الغرض ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے معنی سمجھنے میں بہت بڑی گنجائش ہے۔ اور ظاہر تفسیر قرآن جو منقول ہے وہ اس کے مضامین معلوم کرنے کی انتہا نہیں ہے کہ جس سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

آنحضرت صلعم نے جو من فسر القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار فرمایا۔ یعنی اپنی رائے سے تفسیر بیان کرنے کو منع کیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ اگر قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو کون سی زمین مجھے اٹھائے اور کون سا آسمان مجھے چھپائے۔ اس کے علاوہ اور احادیث و آثار جو تفسیر بالرائے کی ممانعت میں وارد ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں یا یہ غرض ہو کہ تفسیر کے باب میں نقل اور سننے پر کفایت کرنی چاہیے۔ استنباط اور اپنی عقل سے جداگانہ معنی نہ سمجھنا چاہیے یا اس کے سوا کوئی اور غرض ہو۔ یہ غرض کہ قرآن میں سنی ہوئی باتوں کے سوا اور کچھ نہ کہے چند وجوہ سے قطعاً باطل ہے اول وجہ یہ ہے کہ سننے میں یہ شرط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہو یا آپ کی طرف منسوب ہو حالانکہ یہ امر قرآن کے تھوڑے ہی حصہ میں پایا جاتا ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مسعود رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں وہ نہ مانی جائے اور اس کو بھی کہہ دیا جائے کہ یہ تفسیر بالرائے ہے کیونکہ انہوں نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا اور یہی حال ان کے سوا دوسرے اصحاب کی تفسیر کا بھی سمجھو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ عنہم اور مفسرین نے بعض آیتوں کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے اور مختلف قول فرمائے ہیں جو کسی طرح ایک دوسرے سے متفق نہیں اور ان سب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

متنازع فیہ ہے اور اگر بالفرض کوئی قول آپ سے سنا ہوا ہوتا تو باقی اقوال متروک ہو جاتے
اس سے قطعاً معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مفسر نے وہ معنی لیے ہیں جو اس کو استنباط سے
معلوم ہوا ہے یہاں تک کہ حروف مقطعات کے باب میں جو سورتوں کے شروع پر ہیں
سات مختلف قول ہیں۔ مثلاً الٓمٓر میں بعضے کہتے ہیں کہ یہ حروف الرحمٰن میں کے ہیں
بعض کا قول ہے کہ الف سے مراد اللہ ہے ل سے لطیف اور ر سے رحیم اور بعض
اس کے سوا کہتے ہیں ان سب کو جمع کرنا ممکن نہیں تو سب مسموع کیسے ہو سکتے ہیں۔
تیسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعا
کی اور فرمایا۔ اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔ یعنی الٰہی اس کو دین میں
سمجھ عطا کر اور معنی قرآن سکھا دے۔ پس اگر قرآن کی طرح تاویل بھی مسموع اور محفوظ
ہے تو حضرت ابن عباسؓ کو اس کے لئے خاص کرنا کیا معنی ہوں گے۔ چوتھی وجہ یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم یعنی تحقیق کریں اس کو جو
تحقیق کرنے والے اس کے ہیں۔ اس آیت میں اہل علم کے لئے استنباط ثابت کیا اور
ظاہر ہے کہ استنباط سنی ہوئی چیز کے سوا ہے اور جتنے آثار کہ ہم نے میشتر قرآن کے سمجھنے
میں نقل کئے ہیں وہ سب اس خیال کے خلاف ہیں اس سے معلوم ہوا کہ معنی قرآن میں
سننے کی قید لگانی باطل ہے بلکہ ہر عالم کو جائز ہے کہ قرآن میں سے اپنی فہم اور عقل کے
موافق استنباط کرے۔ باقی رہی ممانعت تو اس کو دو صورتوں پر محمول کر سکتے ہیں اول
یہ کہ ایک شخص کی کسی چیز میں ایک رائے ہے اور اس کی طرف طبیعۃً میل رکھتا ہے پھر
قرآن کے معنی اپنی رائے اور اپنی خواہش کے مطابق کہے تاکہ اس کا مطلب درست
ٹھہرے اور اگر اس کی رائے نہ ہوتی تو قرآن میں سے یہ معنی اس کو معلوم نہ ہوتے اور

یہ امر تو کبھی علم کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنی بدعت کے درست کرنے کو قرآن کی بعض آیات سے حجت لاتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ آیت سے یہ مراد نہیں مگر اپنے مقابل کو دھوکا دیتا ہے اور کبھی یہ نہیں جانتا ہوتا کہ آیت سے یہ مراد نہیں مگر چونکہ آیت محتمل کئی وجہ کی ہوتی ہے تو اس کی رائے اسی طرف کو ڈھلتی ہے جو اس کی غرض کے مطابق ہو اور اسی جانب کو اپنی عقل اور خواہش سے ترجیح دے لیتا ہے تو ایک صورت رائے سے تفسیر کرنیکی یہ ہے یعنی اس تفسیر کا باعث اس کی رائے ہوئی۔ اگر رائے نہ ہوتی تو یہ تفسیر بھی اس کے نزدیک غالب نہیں ٹھہرتی۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کا ایک صحیح مطلب ہوتا ہے اور اس کے لئے قرآن سے دلیل تلاش کرتا ہے اور ایسی آیت کو حجت کرتا ہے کہ جس کے متعلق اس کو معلوم ہے کہ اس آیت سے یہ مقصود نہیں مثلاً اگر کوئی پچھلی رات میں لوگوں سے لوگوں سے استغفار کرنے کو کہتا ہو اور اپنے ثبوت میں اس حدیث کو پیش کرے کہ تسحروا فان فی السحور برکۃ اور کہے تسحر سے مراد ذکر کرنا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ اس سے غرض تسحر کھانے سے ہے یا کوئی شخص کسی سخت دل کو مجاہدے کے لئے کہتا ہو اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذھب الی فرعون انہ طغیٰ یعنی فرعون کے پاس جا کہ اس نے سر اٹھایا ہے اس سے اشارہ دل کی طرف کرے اور کہے کہ فرعون سے مراد دل ہی ہے تو یہ بھی رائے سے تفسیر کرنا ہے اس جنس کی تفسیر کو بعض واعظ اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں تاکہ کلام درست ہو جائے اور سننے والوں کو رغبت ہو گو ان کی نیت صحیح ہوتی ہے مگر اس طرح کی تفسیر ممنوع ہے اور کبھی ایسی تفسیر کو فرقہ باطنیہ والے اپنے خراب مطالب میں لوگوں کو دھوکا دینے اور ان کو اپنے مذہب میں لانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور قرآن کے معنی اپنی رائے اور مذہب کے

متعلق لہد بیے ہیں حالانکہ قطعاً جانتے ہیں کہ یہ معنی مراد نہیں ہیں۔ غرضیکہ ایک تو صورت
رائے سے تفسیر کے معنی کی یہ ہوئی جو مذکور ہوئی یعنی رائے سے مراد وہ رائے ہے جو
فاسد اور نفس کی خواہش کے موافق ہو یہ نہیں کہ اجتہاد صحیح بھی اس میں داخل ہو اگرچہ
رائے کا لفظ صحیح اور فاسد دونوں پر شامل ہے مگر کبھی رائے خاص اسی کو کہتے ہیں جو
خواہش کے موافق ہو دوسری صورت رائے سے تفسیر کے معنی ہونے کی یہ ہے کہ ظاہر
الفاظ عربی کے خیال سے تفسیر قرآن کی طرف مبادرت کرے اور اس میں سنا سنایا کچھ
نہ ہو۔ قرآن کے غریب الفاظ سے واقف ہو نہ اس کے مبہم مبدل الفاظ سے مائل نہ اختصار
اور حذف اضمار پر آگاہ۔ نہ اس کی تقدیم و تاخیر کے قاعدے سے خبردار۔ پس جو شخص قرآن کی ظاہر
معانی سے اچھی طرح سے واقفیت نہ رکھتا ہوگا صرف عربی سمجھنے پر اکتفا کر کے معانی
کے استعمال پر مبادرت کرنے لگے گا۔ وہ بیشک بہت غلطیاں کریگا اور رائے سے
تفسیر کہنے والوں کے زمرہ میں داخل ہوگا۔ کیونکہ ظاہر معنی کے جاننے کے لئے
نقل و سماعت پہلے چاہیئے تاکہ غلطی کے مقامات سے محفوظ رہے۔ تفسیر ظاہری میں پختہ
ہونے کے بعد فہم و استنباط کی گنجائش بے شک زیادہ ہو جاتی ہے اور جو الفاظ
غریب کہ بغیر سننے کے سمجھ میں نہیں آتے ان کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ہم ان میں
سے چند کی طرف اشارا کئے دیتے ہیں تاکہ ان سے اوروں کا حال واضح ہو اور
معلوم ہو جائے کہ ابتدا میں تفسیر ظاہر کے یاد کرنے میں سستی درست نہیں اور یہ کہ
بغیر ظاہر کے پختہ کئے باطنی اثرات تک پہنچنا ناممکن ہے اور جو شخص کہ اسرار قرآنی
کے سمجھنے کا دعویٰ کرے اور تفسیر ظاہری میں پختگی حاصل نہ کی ہو۔ اس کی مثال ایسی
ہے جیسے کوئی کسی مکان کے شہ نشین پر پہنچنے کا دعویٰ کرتے اور دروازے میں

مدم نہ رکھتا ہو یا یہ دعویٰ کرے کہ میں ترکوں کے کلام کے مطالب سمجھ لیتا ہوں حالانکہ زبان ترکی مقاصد نہ سمجھتا ہو کیونکہ تفسیر ظاہری لغت کی تعلیم کے قائم مقام ہے جو سمجھنے کے لئے ضروری ہے اور جن چیزوں میں سننا ضروری ہے وہ کثرت سے ہیں۔

تفسیر ظاہری میں پختہ ہونیکی ضرورت

حذف و اضمار | حذف و اضمار سے مختصر کر دینا جیسے وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا میں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک اونٹنی سوجھانے کو ہم نے ثمود کو دی انہوں نے اپنی جانوں پر اس کے مار ڈالنے سے ظلم کیا۔ عربی کے ظاہر الفاظ کا دیکھنے والا یہ گمان کریگا کہ اونٹنی بینا تھی اندھی نہ تھی اور یہ نہیں جانے گا کہ انھوں نے ظلم کیا کیا۔ اور اپنے اوپر کیا یا غیر پر۔

وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ میں حب کا لفظ محذوف ہے یعنی گوسالہ کی دوستی اُن کے دلوں میں پلادی گئی۔ اور اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ میں یہ مراد ہے کہ ہم تجھ کو زندوں کے عذاب کا دوگنا اور مُردوں کے عذاب کا دوگنا چکھائیں گے۔ یہاں عذاب کو حذف کر دیا ہے اور زندوں اور مُردوں کی جگہ حیات و ممات کا لفظ لائے ہیں۔ اس طرح کے حذف و تبدیلِ لغت فصیح میں جائز ہیں۔ اور وَاسْئَلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا میں لفظ اہل محذوف اور پوشیدہ ہے یعنی سوال کرو اس گاؤں کے باشندوں سے جس میں ہم تھے اور ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ثقلت کے معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں یعنی قیامت آسمان و زمین والوں پر پوشیدہ ہے تقاعدہ سے کہ جب

کوئی چیز مخفی ہوتی ہے تو بھاری پڑ جاتی ہے اس لئے لفظ کی تبدیل ہوئی اور اہل کا لفظ حذف
کر دیا گیا۔ اور وتجعلون رزقکم انکم تکذبون میں شکر کا لفظ محذوف ہے یعنی اپنی
روزی دینے کا شکر کرتے ہو۔ کہ جھٹلاتے ہو۔ اور واٰتنا ماوعدتنا علی رسلک میں السنہ
محذوف ہے یعنی دے ہم کو جو اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ کیا ہے اور انا انزلناہ فی
لیلۃ القدر یعنی ہم نے اسکو شب قدر میں اُتارا۔ میں ضمیر غائب قرآن کی طرف ہے حالانکہ
اس کا ذکر پیشتر نہیں ہوا۔ اسی طرح حتی توارت بالحجاب۔ یہاں تک کہ پردہ میں چھپ گیا
میں ضمیر کی طرف ہے جو پیشتر مذکور نہیں۔ اور والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما
نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی یعنی اور جنہوں نے اختیار کئے ہیں اللہ کے
سوا حمایتی (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ تک پہنچا دیں درجہ میں۔
میں یہ مراد ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی یعنی یقولون
کو یہاں سے حذف کر دیا ہے اور اس آیت میں فما لھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون
حدیثا ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک یعنی
سو کیا حال ہے ان لوگوں کا جو بات سمجھنے کے لائق نہیں کہ ایک بھلائی تجھ کو پہنچے سو اللہ
کی طرف سے اور جو تجھ کو برائی پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے۔ یہ مراد ہے کہ وہ اپنے قول
کو سمجھتے نہیں ما اصابک من حسنۃ الخ اور اگر یہ مراد نہ ہو تو اس آیت کا مضمون اس ارشاد قل کل
من عند اللہ یعنی تو کہہ سب اللہ کی طرف سے ہے کے مخالف ہو جائیگا حالانکہ ظاہر اس سے قدریہ
فرقہ کا مذہب سمجھ میں آتا ہے۔

لفظ بدلا ہوا منقول ہونا

جیسے وطور سینین میں سینا کی جگہ سینین ہے اور سلام علی الیاسین
بجائے الیاس کے ہے اور بعضوں نے اس سے مراد ادریس لیا ہے۔ کیونکہ حضرت

ابن مسعودؓ کی قرأت میں سلام علی ادریسین ہے

لفظ کا مکرر ہونا | جو ظاہر میں کلام کے اتصال کو قطع کرتا ہے جیسے اس آیت میں وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا الظن کہ اس کے معنی میں ان یتبعون مکرر آیا ہے اور اس آیت میں قال الملأ الذین استکبروا من قومہ للذین استضعفوا لمن امن منھم کہ اس میں ایک لام اور ایک ضمیر مکرر ہے اور مراد ولمن امن من الذین استضعفوا ہے

الفاظ کا مقدم و موخر ہوجانا | یہ غلطی کرنیکا مقام ہے اگر آدمی سمجھ نسلے تو یقیناً غلطی کریگا جیسے آیت میں ولولا کلمۃ سبقت من ربک لکان لزاما واجل مسمی کہ اس کے معنی لولا کلمۃ واجل مسمی لکان لزاما کے ہیں اگر یہ نہ ہو تو اجل کو بھی لزاما کی طرح منصوب ہونا چاہئے۔ اور یسئلونک کانک حفی عنھا میں معنی اس طرح ہیں یسئلونک عنھا کانک حفی بھا اور لھم درجات عند ربھم ومغفرۃ ورزق کریم کما اخرجک ربک من بیتک بالحق میں کما اخرجک الخ جملہ سابق قل الانفال للہ والرسول سے مرتبط ہے یعنی غنیمت کے مال تمھارے لئے اس لئے ہوئے کہ تم اپنے نکلنے سے راضی ہو اور کافر ناراض ہیں تقوی وغیرہ کا حکم درمیان کلام میں بطور جملہ معترضہ کے آگیا ہے اور اسیطرح کی آیت یہ ہے حتی تومنوا باللہ وحدہ الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک

لفظ کا مبہم ہونا | یعنی کوئی کلمہ یا حرف بہت سے معنوں میں مشترک ہو جیسے شئے قرین اور امت وغیرہ اور کلمات مشترک کی مثال ہیں مثلاً اللہ تعالی فرماتا ہے ضرب اللہ مثلا عبدا مملوکا لا یقدر علی شیء یہاں شے سے مراد اس چیز میں سے نفقہ کرنا ہے جو اس کو روزی دی گئی ہے اور وضرب اللہ مثلا رجلین احدھما ابکم لا یقدر علی شیء میں شے سے مراد عدل اور راستی کے ساتھ حکم کرنا ہے اور فان اتبعتنی فلا تسألنی عن شیء میں صفات ربوبیت مراد ہیں۔ یعنی وہ علوم جن کا پوچھنا عارفوں کو اس وقت تک حلال نہیں۔ جب تک کہ نہ

استحقاق وقابلیت کو شروع نہ کرلے اور ام خلقوا من غیر شیئی ام ھم الخالقون میں شئے سے غرض خالق ہے اور اس کے ظاہر الفاظ سے کبھی یہ وہم ہوتا ہے کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ شئے سے ہی پیدا ہوتی ہے اور لفظ قرین کے مشترک ہونیکی مثال یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وقال قرینہ ھذا مالدی عتید۔ اس میں قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس پر موکل ہے اور اس آیت میں قال قرینہ ربنا ما اطغیتہ قرین سے مراد شیطان ہے۔ لغات عربی میں امۃ آٹھ طرح پر مستعمل ہے (۱) بمعنی جماعت جیسے اس آیت میں وجد علیہ امۃ من الناس یسقون (۲) نبیوں کے سوا پیرو جیسے یوں کہیں کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں (۳) وہ آدمی کے خیر کا جامع اور پیشوا ہو جیسے اس آیت میں ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا (۴) دین جیسے انا وجدنا اباءنا علیٰ امۃ میں (۵) وقت اور زمانہ جیسے الیٰ امۃ معدودۃ اور وادکر بعد امۃ میں (۶) قد کے معنی میں جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص حسن الامۃ یعنی خوش قد ہے (۷) وہ شخص جو کسی دین میں یکتا ہو اس کا کوئی شریک نہو جیسے آنحضرت صلعم نے زید بن عمرو بن نفیل کو لشکر کے ساتھ بھیجتے ہوئے فرمایا تھا امۃ وحدہ یعنی امت کا یگانہ اور یکتا ہے (۸) ماں کے معنوں میں جیسے کہیں ہٰذہ امۃ زید یعنی زید کی ماں ہے اور اسیطرح قرآن میں روح کا لفظ بھی کئی معنوں میں آیا ہے۔

حروف میں ابہام کی مثال | فاثرن بہ نقعا فوسطن بہ جمعا پھر اٹھائے اس میں گرد پھر گھس جاتے ہیں فوجوں میں اس میں بہ کی اول ضمیر سموں کی طرف ہے۔ جو والعادیات ضبحا کی ترکیب میں ہو یعنی قسم ہے دوڑنے گھوڑوں ہانپتے کی جو سموں سے گرد اٹھائیں اور دوسری ضمیر بہ کی غارت سے کنایہ ہے جو مغیرات صبحا میں ہے یعنی صبح کو دھاوا کرتے اور مشرکین کی فوج میں غارت ڈالنے کی قسم ہے اور فانزلنا الماء فاخرجنا بہ من کل الثمرات میں ضمیر اول ابر کی طرف ہے اور دوسری پانی کی طرف ہے۔ قرآن مجید میں اس طرح کے ابہام کثرت سے ہیں۔

رتبہ صفت بیان کرنا | مثلاً شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن میں قرآن کا اترنا رمضان کے

ہوتا ثابت ہوا مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ کون سی شب میں اترا پھر انا انزلنہ فی لیلۃ القدر سے وہ عقدہ بھی حل ہوگیا حالانکہ آیات کے ظاہر الفاظ میں اختلاف کا گمان ہوتا ہے۔

الغرض یہ امور اس طرح کے ہیں کہ بغیر نقل اور سننے کے کوئی دوسری بات کافی نہیں اور قرآن مجید میں اول سے لیکر آخر تک اس قسم کی باتیں بھری پڑی ہیں کیونکہ وہ لغت عربی میں نازل ہوا ہے تو ایجاز، تطویل، اضمار، حذف، ابدال، تقدیم اور تاخیر جو عرب کے کلام میں ہیں ان سب پر قرآن بھی حاوی ہے تاکہ انکا ملزم ٹھہرے اور عاجز کر دے پس اگر کوئی شخص ظاہر الفاظ عربی کو سمجھکر قرآن کی تفسیر پر مبادرت کرے اور ان امور میں سننے اور نقل سے اعانت نہ لے تو وہ ان لوگوں میں داخل ہوگا جو قرآن کی اپنی رائے سے تفسیر کرتے ہیں مثلاً امت کے مشہور معنی سمجھکر اسکی طبیعت اور رائے اسی کیطرف مائل ہو اور دوسری جگہ جب اس لفظ کو سنے تو اس کی رائے اسی طرف جائے جو اسنے مشہور معنی سن رکھے ہیں اور اسکے معنی کی کثرت کی تلاش نہ کرے کہ کتنے مسموع ہیں تو یہ البتہ ممنوع ہونیکی صورت ہے۔ کہ اسرار قرآنی کے سمجھنے کی جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا حاصل یہ کہ جب اس طرح کے امور سننے سے معلوم ہوجائینگے تو ظاہری تفسیر یعنی الفاظ کا ترجمہ معلوم ہوجائیگا صرف ترجمہ معانی کے حقائق سمجھنے کیلئے کافی نہیں ہے حقائق معانی اور لفظی ترجمہ میں جو فرق ہے اسکو اس مثال سے سمجھنا چاہیئے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ اس کا ظاہری ترجمہ تو یہ ہے کہ تو نے نہیں پھینکا جب پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا حالانکہ اس کے حقیقی معنی میں باریکی ہے اسلئے کہ اس میں پھینکنے کا ثبوت اور نفی ہر دو ہیں جس سے ظاہر میں اجتماع ضدین کی صورت پیدا ہوگئی ہے جب تک یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ پھینکنا اور اعتبار سے ہے اور نہ پھینکنا اور جہت سے اور جس جہت سے نہیں پھینکا ہے اس جہت سے خدا تعالیٰ نے پھینکا ہے اسی طرح کی یہ آیت ہے قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم۔ پس جب قتل کی نسبت مسلمانوں کی طرف ہے تو اللہ تعالیٰ کا ان کو عذاب دینے والا کس طرح ہے اور اگر کہو کہ خدا تعالیٰ اس سبب سے عذاب دینے والا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں کو کفار کے قتل کیلئے اسی نے جنبش دی تو پھر مسلمانوں کو قتال کیلئے امر کرنے کے کیا معنی ہیں ان معنوں کی حقیقت علوم مکاشفات کے ایک بڑے سمندر سے معلوم ہوتی ہے

مستعمل ہو کر واضح ہو ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی درست ہو جائے اور اگر ان معنوں کی اسرار دیا
کرنے والی اس کے معنے دونوں کے باہم مرتبط ہونے میں تمام عمر صرف کر دیجائے جب بھی غالبا تمام اسکے سب لوازم
پورے ہونے پیش نہ معلوم ہوجائیں کہ قرآن مجید کا ایسا نہیں جسکی تحقیق ہو یا ان جیسے امور کی ضرورت
ہو ... علم میں پکے لوگ جو اسکے اسرار اس قدر معلوم ہوتے ہیں جسقدر انکا علم زیادہ ہو اور دلوں میں صفائی اور
... کی رغبت میں زیادتی اور طلب میں خلوص ہوتا ہے اور ہر شخص کو ترقی کرنے میں امکان ہوتی ہے کہ اس
سے اعلیٰ درجہ پر ترقی کرسکتا ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ سارے مدارج طے کر جائے ارشاد ہے قل لو کان البحر مدادا
لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی. اگر سمندر سیاہی بنے اور درخت سب قلم ہو جائے
جب بھی کلمات الہی کے اسرار ختم نہ ہوسکیں گے یہی سبب ہے کہ اسرار کی سمجھ میں مختلف ہوتے ہیں حالانکہ
ظاہری ترجمہ سب جانتے ہیں کہ ترجمہ تفسیر اسرار کے فہم میں کافی نہیں۔

اسرار کے سمجھنے کی مثال یہ ہے جو بعض اہل دل آنحضرت صلعم کے سجدے کی حالت میں ان دعاؤں کے
سمجھے ہیں اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک
لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک یعنی جب آپکو حکم ہوا کہ سجدہ کرو قرب حاصل کرو تو آپ نے
سجدہ میں قرب پایا اور صفات الہی کی طرف نظر کی بعض صفات کے ساتھ بعض سے پناہ مانگی یعنی رضا
کے ساتھ سخط سے پناہ مانگی اور یہ دونوں صفت ہیں اسیطرح معافات اور عقوبت دونوں صفات ہیں کہ اول
سے دوسرے سے پناہ مانگی پھر آپکا قرب زیادہ ہوا اور پہلا قرب بھی اسمیں مندرج ہوگیا تب آپنے صفات سے ذات کیطرف
ترقی کر کے فرمایا اعوذ بک منک یعنی تجھ سے تیری ذات کی پناہ پکڑتا ہوں پھر آپکا قرب اتنا زیادہ ہوا کہ آپکو
شرم آئی کہ بساط قرب پر ہوکر پناہ مانگتا ہوں اسوقت ثنا و تعریف کیطرف جھکے اور فرمایا لا احصی ثناء علیک
یعنی میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا پھر آپنے جانا کہ یہ بھی قصور ہے کہ ثنا کو اپنی طرف منسوب کیا تب فرمایا
انت کما ...

[illegible]

[illegible]

... صلی اللہ علیہ وسلم ... [illegible]